سرودِ خروش

جوشؔ

ناشِر

منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لمیٹڈ

مُفیدِ عام پریس نکلسن روڈ، دہلی

قیمت برائے ہند و پاکستان، ۷ر (سات روپے)

لالہ لبھا رام مینجر نے مفید عام پریس واقع نکلسن روڈ دہلی میں چھاپا اور
لالہ موتی رام مینجر نے منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز دہلی و الہ آباد شائع کیا۔

طالبِ لعل و گہر نیست، وگرنہ خورشید
ہمچناں در عملِ معدن و کان است کہ بود
(حافظ)

باقی نہیں اِک شعُور رکھنے والا!
صَہبائے کُہَن سال کا چکھنے والا!
کیا اپنے مَعانی کا میں رونا رُوؤں
اَلفاظ نہیں کوئی پَرَکھنے والا!!

دِل، بے کَسیٔ اَدَب پہ تھرّاتا ہے
مَرطوُب فضا میں دَم گھُٹا جاتا ہے
فِردَوسیٔ وَرودَکی سمجھتا ہوں اُسے
مِصرَع بھی مِرا جو آج دُہراتا ہے

اِک عُمر سے زہر پی رہا ہوں اے دوست
سِینے کے شِگاف سی رہا ہوں اے دوست
گویا سَرِ کوہسار، تنہا پودا،
یوں اپنے وطن میں جی رہا ہوں اے دوست

محرومِ نشاطِ زندگی ہوں اب تک
پامالِ خرد و آگہی ہوں اب تک
اِس درد کا تو گواہ رہنا اے وقت!
میں اپنے وطن میں اجنبی ہوں اب تک

آگاہیِ علم و فن نہیں ہے اے جوشؔ!
اصطبل ہے، انجمن نہیں ہے اے جوشؔ
ہوتا ہے وطن ہر اک بشر کا — لیکن
میرا کوئی وطن نہیں ہے اے جوشؔ

فہرست

سرود و خروش

جوشؔ (ملیح آبادی)

۱۹۵۲ء

کہاں تصوّرِ پستی بلند بینوں کو،
ہم آسمان سے لاتے نہیں زمینوں کو!

جَودَت کی فضا ابھی نہیں ہے گُل بار
ذِہنوں کی ابھی سَطح نہیں ہے ہَموار
میرے اور میری مَنزِلت کے مابَین
خود میرے وُجُود کی کھڑی ہے دیوار

بنامِ قوّتِ حیات

ماتمِ آزادی

جولائی سنہ ۱۹۴۷ء

اے ہم نشیں، فسانۂ ہندوستاں نہ پوچھ
رُودادِ جام بخشیٔ پیرِ مُغاں نہ پوچھ
بربط سے کیوں بلند ہوئی ہے فغاں نہ پوچھ
کیوں باغ پر محیط ہے ابرِ خزاں نہ پوچھ
کیا کیا نہ گُل کھلے رَوِشِ فیضِ عام سے
کانٹے پڑے زبان میں پھولوں کے نام سے

(۲)

شاخیں ہوئیں دو نیم جو ٹھنڈی ہوا چلی
گم ہو گئی شمیم جو بادِ صبا چلی!
انگریز نے وہ چال بہ جور و جفا چلی!
برپا ہوئی برات کے گھر میں چلا چلی
خونِ چمن بہار کے آتے ہی بہ گیا!
اُترا جو طوق، اور بھی دم گھٹ کے رہ گیا!

(۳)

جھُومی گھٹا، — فضا شرر آمیز ہو گئی
کھولی خوشی نے زُلف، — غم انگیز ہو گئی
مچلی نسیمِ عقل، — جُنوں خیز ہو گئی
سائے میں دُھوپ اور بھی کچھ تیز ہو گئی
پارا، چلیں جو سرد ہوائیں تو چڑھ گیا
درماں ہُوا تو دردِ جگر اور بڑھ گیا

(۴)

اِک دِل نشیں کلی جو سرِ باغ کھل گئی
تو خاک میں لطافتِ گلزار مِل گئی!
پہنی قبائے نرم تو جلد اور چھل گئی
ٹھہرا جو دِل تو صبر کی بُنیاد ہِل گئی
شبنم اُدھر گُہر، ورقِ گُل پہ جڑ گئی
گلزارِ زندگی پر اِدھر اوس پڑ گئی

(۵)

باجے بجے تو شورِ فغاں دُور تک گیا

کشتی مِلی تو، خیر سے، دریا بِچک گیا

شبنم گِری، — دِلِ سمن و سرو پک گیا

بوُندیں پڑیں تو اور بھی گلشن دَھڑک گیا

اپنا گلا خروشِ ترنّم سے پھٹ گیا

تلوار سے بچا تو رگِ گُل سے کٹ گیا

(۶)

دَولت مِلی تو اور بھی نادَار ہو گئے
صِحّت ہُوئی نَصیب تو بیمار ہو گئے
اُترا جو بار اور گراں بار ہو گئے
آزاد یُوں ہُوئے کہ گرِفتار ہو گئے
پِگھلا جو آسماں تو زمیں سَنگ ہو گئی
پَو یُوں پھٹی کہ صُبحِ چمَن دَنگ ہو گئی

(۷)

باطِل ہُوا جو خَوف تو دِل اور ڈَر گیا

بھیگیں مَسَیں تو زِیست کا مُنہ اور اُتر گیا،

پایا سُبو تو عُمر کا پیمانہ بھر گیا

پُرساں ہُوئے مسِیح تو بیمار مَر گیا

نغمے چِھڑے تو شورشِ پیکار بن گئے

گونجے جو راگ، تیغ کی جھنکار بن گئے

(۸)

چہکے جو اِعتماد کے گلزار میں طیُور
بے اِعتمادِیوں کا گیا شور دُور دُور
دَوڑا رُخِ فسُردَہ پہ جب زِندگی کا نور
دِی موت نے صَدا کہ "تُم سے نے بِشری حضُور"
"باقی رہے جگہ نہ کوئی موت کے لئے"
"لو ہندی سبھا میں آئی ہے ڈنڈوت کے لئے"

(۹)

فِتنے مِٹے تو اَمن کی دَولت نہیں رہی
اِنسان کی وہ قدر، وہ قیمت نہیں رہی
حاصِل ہُوا عُروج تو عِزّت نہیں رہی
پائی جو حُرِیت تو حَرارت نہیں رہی
جب روزگار نرم ہُوا، سَنگ ہو گئے!
وُسعت مِلی تو اور بھی دِل تنگ ہو گئے

(۱۰)

چھٹکی جو چاندنی تو بڑھی ظُلمتوں کی شان!
بازار جب کھُلا تو ہُوئی بند ہر دُکان
چھیڑے جو راگ، سر پہ کڑکنے لگی کمان
چھت کی لگی جو ڈاٹ تو شق ہو گیا مکان
دَرماں سے اور دِل ہمہ تن دَرد ہو گیا
پھوٹی کِرن تو صُبح کا مُنھ زَرد ہو گیا

(۱۱)

شادی ہوئی تو غم کے خزانے لُٹا دیئے
کچھ یوں دیئے جلائے کہ دِل ہی بُجھا دیئے
سہرا بندھا تو شرم کے پردے اُٹھا دیئے
مہندی لگی تو خون کے دریا بہا دیئے
دُولہا بنے تو حدِ مسرّت سے بڑھ گئے
گھوڑے کے لات مار کے، سولی پہ چڑھ گئے

(۱۲)

دہکے تو سوزِ موجِ تکلّم نہیں رہا
چہکے تو لحن و ساز و ترنّم نہیں رہا
لہکے تو رقص و رنگ و تبسّم نہیں رہا
مہکے تو بُوئے گُل کا تلاطم نہیں رہا
کلیے جو تار دیوِ محن بولنے لگا!
خیمے ہوئے جو نصب تو رَن بولنے لگا!

(۱۳)

اُبھرے تو جوشِ بادہ گساراں نہیں رہا
بادل گھِرے تو رنگِ بہاراں نہیں رہا
راتیں کھلیں تو رقصِ نگاراں نہیں رہا
بوتل کھُلی تو مجمعِ یاراں نہیں رہا
کوئی سبیلِ بادہ پرستی نہیں رہی!
مستی کی رات آئی تو ہستی نہیں رہی!!

(١٤)

جب باغبانِ قوم ظفر مند ہو گیا

ہر برگِ نرم، خاک کا پیوند ہو گیا

عاشق جو وصلِ یار سے خورسند ہو گیا

فالج گرا دماغ پہ، دِل بند ہو گیا

اُترا بخار، ــــ عقل کو طاعون ہو گیا

پیدا ہوا لہو تو جگر خون ہو گیا!

(١٥)

بخیہ ہُوا تو اور بھی چادر اُدھڑ گئی

بندھن کھُلے تو جسم کی رگ رگ جکڑ گئی

بھرنے لگے جو شہر تو بستی اُجڑ گئی

ٹوٹی رسن تو عقل میں زنجیر پڑ گئی

طاقت رہی تو کوئی ـــــ تُوانا نہیں رہا

برسا جو مینھ تو کھیت میں دانا نہیں رہا

۱۶

بارِش ہوئی، — زمین دَھڑک کر اُبل گئی
اُودی گھٹا اُٹھی تو ہری دُوب جل گئی
اُبھری حیات موت کے سانچے میں ڈھل گئی
بانہیں پڑیں گلے میں کہ تلوار چل گئی
آبِ بقا سے زہر کی لہریں اُبل پڑیں
بوسے مِلے تو منھ سے زبانیں نِکل پڑیں

(۱۷)

دُشمن گئے تو دوست بنے دُشمنِ وطن
شَبنم چھپی تو کھول گئے لالہ و سمن
سنکی ہوائے سرد تو کجلا گیا چمن
خلعت کی تہ کھلی تو برآمد ہوا کفن
نغمے چھڑے تو شورِ سرِ بام مچ گیا!
چٹکی کلی تو باغ میں کہرام مچ گیا

(۱۸)

ہر موئے زُلف اینٹھ گیا ، مار بن گیا
ہر مِہر کا خطیب ، جفا کار بن گیا
ہر صبح کا رسول شبِ تار بن گیا
ہر لوچ اِک اُٹھی ہوئی تلوار بن گیا
"بدلی نگاہ ، طور سے بے طور ہو گئے"
"ہم تو جوان ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے"

(۱۹)

سِکھ نے گُرُو کے نام کو بَٹّہ لگا دِیا
مَندر کو بَرہمَن کے چَلَن نے گرا دِیا
مَسجِد کو شَیخ جی کی کرامت نے ڈھا دِیا
مَجنوں نے بڑھ کے پَردۂ مَحمِل جلا دِیا
اِک سُوءِ ظَن کو غُلغُلَۂ عام کر دِیا
مَریَم کو خود مَسِیح نے بَدنام کر دِیا

(۲۰)

سِکّوں کے اَنجُمَن میں خَرِیدار آ گئے
سیٹھوں کے خادمانِ وفادار آ گئے
کھدّر پہن پہن کے بد اَطوار آ گئے
دَر پر سفید پوش سِیَہ کار آ گئے
تارِیکیوں کو چھوڑ کے رَوشَن جَبِیں گئے
جو لوگ آسمان تھے، زیرِ زمیں گئے!

under ground etc

(۲۱)

پَل بھر میں سُوئے دَشتِ جُنوں مُڑ گئی سَماج
اپنے وَطَن کی شَرم، نہ اپنے گُرو کی لاج
رَسمیں بَدل گئیں، تہ و بالا ہُوئے رَواج
وہ گُفتگو رہی، نہ وُہ لہجے، نہ وُہ مِزاج
گھر اپنا گھر گرَہست ہی خود مُوسنے لگی!
حَد ہے زَبانِ دیو پَری چوسنے لگی

(۳۲)

چلنے لگی لُغت پہ چُھری اِنتقام کی
چھانٹی گئیں تمام جو لفظیں[1] تھیں کام کی
رَحمٰن ہی کی بات چلی اور نہ رام کی
گُدّی سے کھنچ گئی جو زباں تھی عوام کی
حیوان بوکھلا گئے، مُنھ کھولنے لگے!
اِنسان بولیاں وہ نئی بولنے لگے

[1] لکھنؤ میں لفظ کو مذکّر و مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ میں "لفظ" کی تذکیر کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن یہاں مؤنث کا مقام آگیا ہے۔

(۲۳)

نَسرِین و گُل کو شُعلۂ بے باک کر دِیا
سَرو و چِنار کو خَس و خاشاک کر دِیا
چھوڑے انار، لاکھ کا گھر خاک کر دِیا
خود بُوئے گُل نے دامنِ گُل چاک کر دِیا
"شُعلے بَھڑک کے اُٹھنے لگے دِل کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چَراغ سے"

(۲۴)

خائن ہُوئے حَرِیم اُمانت میں باریاب
شیطاں بنے فرازِ ہدایت کے آفتاب
بیڑے ڈبو چکے ہیں جو بے حَد و بے حِساب
اُن ظالموں کا حضرتِ اِلیاس سے ہے خِطاب

وہ، جو تمام راہ زَنوں کا اِمام ہے!
وہ شَخص آج خِضرِ علَیہِ السّلام ہے!

(۲۵)

دیتے تھے صُبح و شام سزائیں جو نا سزا
گردن پہ جن کی خون ہے مردانِ راہ کا
کل جن کی ڈپٹیوں کا نشانہ تھے رہ نما
اُن ڈِپٹیوں کو ہم نے کلکٹر بنا دیا
قیدی چھٹے تو خیر سے برباد ہوگئے
جو قید کر رہے تھے وہ آزاد ہوگئے

(۲۶)

حُکّام، مُجرِموں کے ہیں دامن سیے ہُوئے
"سی-آئی-ڈِی" ہے بادۂ غفلت پیے ہُوئے
داروغہ جی ہیں قولِ بَدوں کو دِیے ہُوئے
چوروں سے کوتوال ہے سازِش کیے ہُوئے
برِٹش کے خادِموں کو اُچھالے ہُوئے ہیں ہم
سانپوں کو آستین میں پالے ہُوئے ہیں ہم

(۲۷)

غدّار تھے جو کل وُہ مُحبِّ وطن ہیں آج
بد خواہِ باغ، ہمدمِ سروِ سمن ہیں آج
کل تک تھے جو سموم، نسیمِ چمن ہیں آج
خسرو کے جو غلام تھے وُہ کوہ کن ہیں آج
لچھمن کا دِل ہے شدّتِ غم سے پھٹا ہُوا
دَر پر ہے رام چندر کے راوَن ڈٹا ہُوا

۳۸

مُفسِد ہیں فوجِ امن کے سالار آج کل
ڈاکو ہیں سیم و زر کے نِگہ دار آج کل
زاغ و زغن ہیں مُطربِ گُلزار آج کل
افسر ہیں بُلبُلوں کے چڑی مار آج کل
چنگیز خاں ہیں عیسیٔ دوراں بنے ہوئے
کانٹے ہیں چوبِ خیمۂ بُستاں بنے ہوئے

(۲۹)

برطانیہ کے خاص غلامانِ خانہ زاد
دیتے تھے لاٹھیوں سے جو حُبِّ وطن کی داد
جن کی ہر ایک ضرب ہے اب تک سروں کو یاد
وہ آئی سی، ایس اب بھی ہیں خوش وقت و بامراد
شیطان ایک رات میں انسان بن گئے!
جتنے نمک حرام تھے کپتان بن گئے!!

I.C.S

(۲۳۰)

سینوں سے اُٹھ رہی ہے وہی بے دلی کی بھاپ
اَب بھی بغل میں پُن کو دبائے ہوئے ہے پاپ
ماتھے پر اَب بھی دولتِ طاغوتؐ کی ہے چھاپ
بیٹھے ہیں اُس کے آج بھی ہم لوگ اور وہ باپ
آزادیاں ہیں بُوئے غلامی لئے ہوئے
اَب بھی سَروں پہ تاج ہے سایہ کئے ہوئے

Comman Wealth ط

(۳۱)

جھونکوں میں رقص وکیف ہے موسم میں اعتدال
لہکا ہوا ہے باغ تو نکھرا ہوا ہلال!
لیکن بہ ایں سرور بہ ایں کثرتِ جمال،
عشّاق کی روش ہے نرالی شبِ وصال
معشوقہ ہے وفورِ حیا سے گڑی ہوئی!
اغیار کے گلے میں ہیں باہیں پڑی ہوئی

(۳۲)

اربابِ اقتدار کا اللہ رے کمال
دیکھو تو سر بلند، ٹٹولو تو پائمال!
کالوں کے عارضوں پہ ہیں گوروں کے خط و خال
بھارت کا رنگ روپ ہے برٹش کی چال ڈھال
ہاتوں میں پھول، جیب میں ڈھیلے لیے ہوئے
ساری گرو کی شان ہیں چیلے لیے ہوئے

(۳۲۳)

گو حُکم ہے کہ بندِ شبستاں کا دَر نہ ہو

جو آئے اِعتراض کِسی شخص پر نہ ہو

قدغن ہے یہ مگر کہ لبِ خُشک تر نہ ہو

اِندر سبھا میں لال پری کا گُذر نہ ہو

روشن تھے کل جو سُرخ پیالوں کے سامنے

گُل آج وُہ چراغ ہیں کالوں کے سامنے

(۳۴)

وَحشت رَوا، عِناد رَوا، دُشمنی رَوا
ہَل چَل رَوا، خَروش رَوا، سَنسَنی رَوا
رِشوَت رَوا، فَساد رَوا، رَہزَنی رَوا
اَلقِصَّہ ہر وُہ شے کہ ہے ناکَردَنی رَوا
اِنسان کے لَہُو کو پیو، اِذنِ عام ہے
اَنگور کی شَراب کا پینا حَرام ہے

(۳۵)

جن کے قلم ہیں تیغ و تبر سے کڑے ہوئے
جن کی لڑائیوں کے ہیں جھنڈے گڑے ہوئے
حق پر ہیں جو پہاڑ کی صورت اڑے ہوئے
ذلت کے غار میں ہیں وہ اب بھی پڑے ہوئے
شاعر ہو ، یا ادیب ، قلندر ہے آج بھی!
انگریز کا غلام گورنر ہے آج بھی!

(۳۶)

وہ شاعرانِ قوم، گراں قدر و معتبر!
رہتے ہیں جن کی جیب میں اسرارِ بحر و بر
سورج پہ جن کا ہاتھ ہے اور پاؤں چاند پر
روٹی وہ ڈھونڈتے ہوئے پھرتے ہیں دربدر
کیا چیز ہے ادب، یہ کوئی جانتا نہیں!
جانے وہ کیا جو حرف بھی پہچانتا نہیں!

(۳۷)

وُہ جِن کی وُسعتوں کی کوئی اِنتہا نہیں
سَب سے سِوا اُنھیں کے لِئے تنگ ہے زمیں
دَفتر میں کوئی قید، کوئی بوریا نشیں!
وہ اُبتری ہے کوئی کہیں ہے کوئی کہیں
لوگ آئے، اور گئے بھی غِذا بانٹتے ہُوئے
یہ رہ گئے دَوات و قَلم چاٹتے ہُوئے

(۳۸)

جاہِل، حضُور کو نظر آتا ہے دوُر بیں
عالِم کو آنکھ اُٹھا کے کبھی دیکھتے نہیں!
باطِل، جبھی تو حق پہ چڑھائے ہے آستیں!
بیٹھی ہے آسماں کو دبوچے ہُوئے زمیں
کوّا ہے زمزموں کی تراز و بنا ہُوا!
مُرغِ چمن ہے کاٹھ کا اُلّو بنا ہُوا

(۳۹)

چھائی ہوئی ہیں زیرِ فلک بدحواسیاں
آنکھیں اُداس اُداس تو مُنھ ہیں دُھواں دُھواں
مَنکے ڈھلے ہوئے ہیں تو اینٹھی ہوئی زباں
وہ ضُعف ہے کہ مُنھ سے نکلتی نہیں فُغاں
اِک دوسرے کی شکل کو پہچانتا نہیں!
میں خود ہوں کون، یہ بھی کوئی جانتا نہیں!

(۴۰)

خاموش ہیں طیور، چمن سرمہ درگلو
شاخیں فسُردہ، خوشۂ انگور زرد رُو
پھولوں کو اب نہیں ہے تمنّائے رنگ و بو
بُلبُل کو آشیاں میں قفس کی ہے آرزو
غارت گرِ بہار کا منھ چومنے لگے!
آئیں جو آندھیاں تو چمن جھومنے لگے!

(۴۱)

سَروِسہی، نہ ساز، نہ سُنبُل، نہ سبزہ زار
بُلبُل، نہ باغباں، نہ بہاراں، نہ برگ و بار
جیحُوں، نہ جامِ جم، نہ جوانی، نہ جوئے بار
گُلشن، نہ گُل بدن، نہ گُلابی، نہ گُل عِذار
اَب بوئے گُل، نہ بادِ صبا مانگتے ہیں لوگ
وہ حَبس ہے کہ لُو کی دُعا مانگتے ہیں لوگ

(۴۳)

پھر زلزلے ہیں راکبِ تمکینِ زندگی
بے آئینی ہے ناظمِ آئینِ زندگی
پھر جرم بن چکے ہیں قوانینِ زندگی
پھر موت ہے پیامبرِ دینِ زندگی
پھر شکلِ زندگی سے ڈرے جا رہے ہیں لوگ
بس، اے حیات، بس، کہ مرے جا رہے ہیں لوگ

(۴۳)

فُٹ پاتھ ، کارخانے، ملیں، کھیت، بھٹیاں
گِرتے ہُوئے دَرخت ، سُلگتے ہُوئے مکاں
بُجھتے ہُوئے یَقین ، بَھڑکتے ہُوئے گُماں
اِن سَب سے اُٹھ رہا ہے بَغاوَت کا پھر دُھواں
شُعلوں کے پَیکَروں سے لِپٹنے کی دیر ہے
آتَش فِشاں پَہاڑ کے پَھٹنے کی دیر ہے

(۴۴)

وُہ تازہ اِنقلاب ہُوا آگ پر سوار!
وُہ سَنسَنائی آنچ، وہ اُڑنے لگے شرار
وُہ گُم ہُوئے پہاڑ، وہ غلطاں ہُوا غبار
اے بے خبر، وُہ آگ لگی آگ ــــ ہوشیار!!
بڑھتا ہُوا، فضا پہ قدم مارتا ہُوا!
بھونچال آ رہا ہے وُہ پھنکارتا ہُوا!

مُشتے کہ بعد از جنگ...

۱۹۴۷ء

بُجھ گئی جب شمع ،صدرِ بزمِ جاں آیا تو کیا
صُبح ، پروانوں کا لشکر پرفِشاں آیا تو کیا

قدردانِ گوہر و گُل ہی نہ جب باقی رہا
کوئی اب گوہر فِشان و گُل چکاں آیا تو کیا

کر چُکیں جب کام اپنا تشنگی کی شِدّتیں
کوئی شانے پر لیے رَطلِ گراں آیا تو کیا

کھیتیاں لو سے جُھلس کر جب کہ لو دینے لگیں
پیچ و خم کھاتا گھٹاؤں کا دُھواں آیا تو کیا

جب ترس کھا کر "خدا" نے ختم کر دی زندگی
معذرت خواہی کو اب جورِ بتاں آیا تو کیا

ایک اک قطرے کو ترسا زندگانی کا سبو!
اب کوئی لے کر شرابِ زرفشاں آیا تو کیا

تشنہ لب ہستی کا پیمانہ چھلک جانے کے بعد
مغبچے آئے تو کیا، پیرِ مغاں آیا تو کیا

قصرِ جاں پر تو گھرے رہتے تھے بادل موت کے
قبر پر ابرِ حیاتِ جاوداں آیا تو کیا

زندگی پر اپنا سایہ بھی نہ ڈالا بھول کر،
اب سرِ تربت کوئی سروِ رواں آیا تو کیا

ہو چکا بازار ہی قحطِ خریداری سے بند

اب کوئی جویندۂ جنسِ گراں آیا تو کیا

ہو چکی جب صبح تو جھونکا ہوائے نرم کا

لے کے بوئے گیسوئے عنبر فشاں آیا تو کیا

مرگیا جب ایک بے تمثال پیرِ نوجواں

اب کوئی غمخوارِ پیرانِ جواں آیا تو کیا

دہر سے جب اٹھ گیا سرخیلِ رندانِ جہاں

اب کوئی دل سوزِ رندانِ جہاں آیا تو کیا

جب خزاں نے چھین لی روئیدگی ہی خاک سے

اب بہاراں کا نقیبِ نغمہ خواں آیا تو کیا

جب کفن میں چھپ گئی عُریانیٔ عمرِ زبوں
کوئی لے کر اب حریر و پرنیاں آیا تو کیا
عمر بھر تو ٹھوکریں کھاتا رہا ذوقِ جمال
اب لحد پر کاروانِ گل رخاں آیا تو کیا
زندگی نے اک تبسّم بھی نہ پایا بھیک میں
اب جلوسِ خندہ ہائے مہ وشاں آیا تو کیا
سرخ کرنیں پی چکیں جب لالۂ رنگیں کا خوں
خطِّ مغربی میں مہرِ بے اماں آیا تو کیا
زندگی تھی اور زمیں کی متّصل پابوسیاں!
اب مری تربت پہ جھکنے آسماں آیا تو کیا

جنگلوں میں جو مُسافِر سَر پٹک کر مَر گیا
اَب اُسے آوازِ دیتا کارَواں آیا تو کیا

اُڑ چکی جب خاک تک میری ہَوا کے دوش پر
ہوش میں اے جوؔش اَب ہندوستاں آیا تو کیا

دَریوزۂ کَرَم

۱۹۴۷ء

اِدَھر بھی نگاہِ کَرَم، میرِ خوباں!
دو عالَم ترے اک تبسّم پہ قرباں
تری جُوئے رَفتار و مَوجِ تکلّم،
چہ بادِ بہاری، چہ آہنگِ باراں
تری مستیٔ چشم و بوئے نفَس میں
طِلسمِ خَرابات و اَسرارِ بُستاں
ترے سَروِ رَنگین و سیمیں کی دُھومیں
خیاباں خیاباں، گُلستاں گُلستاں

تبسّم کی لہروں میں روئے نگاریں
شبِ ماہ میں تابِ لعلِ بدخشاں
تری نرگسِ مست کے سُرخ ڈورے
رگِ جاں، خطِ جام، نبضِ بہاراں
فسُونوں کی پرواز بالائے گیسو
فسانوں کی آوارگی زیرِ مژگاں
اِدھر بھی کبھی رُخ کراے جوئے مستی
خروشان وجولان وشادان و خنداں
کبھی میرے خلوت کدے میں بھی ورآ
غزل خوان وسرشار وسرمست و رقصاں

بہ شوخی و شنگی قدم رنجہ فرما!
خمیدہ، خمیدہ، خراماں، خراماں
فسوں خیز و نے ریز و مے بیز و سرخوش
گہر بار و گلشن چکان و گل افشاں!
اگر اس زمانے کی بلقیس تو ہے
تو اس دور کا جوش بھی ہے سلیماں

آشا کا راگ

۱۹۴۵ء

تجھے چاند کی ہے اگر لگن، تو سکھی کے بدلے دکھی نہ بن

وہ چھٹا گہن، وہ چھٹا گہن، وہ چھٹا گہن، وہ چھٹا گہن!

ترا اس سے کیوں ہے اداس من کہ ترے گلوں پہ نہیں پھبن

وہ کھلا چمن، وہ کھلا چمن، وہ کھلا چمن، وہ کھلا چمن

ترے دل میں اس سے ہے کیوں گھٹن کہ گھٹا گھٹا سا ہے پھول تن

وہ چلی پون، وہ چلی پون، وہ چلی پون، وہ چلی پون!

تو ہے خاک؟ چھوڑ یہ خاک پن، ترے پاؤں چومنے جانِ من

وہ جھکا گگن، وہ جھکا گگن، وہ جھکا گگن، وہ جھکا گگن

دِلِ پُر شور و جَواں

نومبر ۱۹۴۹ء

شَبیب میں بھی دِلِ پُرشور و جَواں باقی ہے
سَر میں پگھلی ہُوئی شَمعوں کا دُھواں باقی ہے
اب کہاں جلوۂ خوباں کی پرستش لے دوست
پھر بھی آنکھوں میں عَقیدَت کا نشاں باقی ہے
مَنصَبِ دَیر خدائی کو پہنچے دیر ہُوئی!
جَذبۂ بندگیٔ حُسنِ بُتاں باقی ہے
نہ وہ نَخرے ہیں نہ وہ رنگ، مگر دِل میں ہنوز
ایک رنگین دُھندلکے کا سماں باقی ہے

اب کہاں قوسِ قزح، پھر بھی سرِ چرخِ وجود
ایک گُل رنگ سی موہوم کماں باقی ہے
اَب نہ ساحل پہ ہی قدہیں، نہ موجوں میں سرود
پھر بھی افسونِ خمِ آبِ رواں باقی ہے
جس میں نشّے کی سی الجھن ہے وہ طاری ہے خمار
جس میں تیور رہیں یقیں کے وُہ گماں باقی ہے
مدفنِ شوق کی آزردہ ہواؤں میں ہنوز!
بُوئے انفاسِ مسیحا نفساں باقی ہے
عُمرِ یخ بستہ پہ غلطاں ہے مہ وسال کا ابر
اور وُہی شعلگیٔ تُندو جواں باقی ہے

رات تاریک ہے، انجم ہیں، نہ رقصِ مہتاب
اور تمنا کی وہی کاہ کشاں باقی ہے

دانہ و دام میسّر نہیں کب سے، پھر بھی
دلِ جوئندہ و چشمِ نگراں باقی ہے

نہ تواتر سہی، رہ رہ کے تو ہوتی ہے کھٹک
کوئی پھانس اب بھی قریبِ رگِ جاں باقی ہے

للہ الحمد کہ اس دورِ زمستاں میں بھی جوش
نفسِ گرم و دلِ شعلہ فشاں باقی ہے

درسِ آدمیّت

سنہ ۱۹۴۹ء

عزیزو یہ جوشِ رُواں بخشِ ہند
یہ مے خوار زاہد، یہ درویش رِند
یہ دُنیا کا حق کیش "باطِل نواز"
یہ خاور شکن شاعرِ ذرّہ ساز
یہ طاعت پرست و بغاوت پناہ
بہ فطرت سفید و بہ نامہ سیاہ!
یہ تعمیر آمادہ تخریب کوش،
بہ خلوت سرود و بہ جلوت خروش

یہ صورت گرِ نور و معمارِ نار
یہ سرحلقۂ اولیائے کبار
یہ دانائے رازِ خفی و جلی!
گنہ گار معصوم — کا فرولی
گہے شادمان و گہے مضمحل
جہنم در آغوش و جنت بہ دل
یہ چشم و چراغِ نگارِ نجات
بہ این ترک و تضحیکِ صوم و صلوٰۃ
بہ ہستی مکدر، بہ مستی نقی!
یہ اس دور کا "فاسقِ" متقی!!

یہ تاریک اعمال "روشن ضمیر!

"سیہ کار" قدسی، قدح خوارِ پیر

یہ جھوٹی عدالت کا سچا گواہ

یہ سر تا قدم اِک مقدس گناہ

خطاؤں کا خوگر، سزاؤں سے دور

یہ قانون داں مجرمِ بے قصور

یہ دانا و عادل" ظلوم و جہول"

یہ بے دِین مومن، یہ منکر رسول!

ندا دے رہا ہے تمہیں صبح و شام

عزیزو، یہ رندِ علیہ السلام

کہ آؤ سوئے منزلِ منزلت
پئے رونقِ دینِ انسانیت
محبّت کا اِس پیر سے درس لو
خس و خار سے بھی محبّت کرو!
محبّت کے سینوں میں غنچے کھلاؤ!
شراروں کو کاٹو، ستارے اُگاؤ
مساواتِ انساں کی خاطر مرو!
درِ آدمیّت پہ سجدے کرو
نہ ہندو شریف اور نہ مُسلم شریف
یہ سب ہیں ذلیل و دنی و کثیف!

یہ اِنساں نہیں ہیں یہ چوپائے ہیں!
یہ سب اونٹ ہیں، اور یہ سب گائے ہیں
یہ قاتِل، یہ ڈاکو، یہ شِمرِ لعیں
یہ زِندانیٔ اَسفَلُ السّافِلیں
یہ "رَیداسیے"[1] اور یہ چِشتیے[2]
یہ پوّے، یہ اَدّھے یہ بالِشتیے
بہت سخت گھٹیا ہیں، بَونے ہیں یہ
جدید اَہرمَن کے کِھلونے ہیں یہ
میسّر نہیں جنسِ اَمن و اَماں
جہاں بھی ہیں یہ چوٹیاں داڑھیاں

[1] ریداس کے مُعتقد۔ [2] چشتیہ خاندان کے مُرید۔

نہ مندر سہانا، نہ مسجد حسیں
درِ آدمیت ہے مہرِ مبیں
کوئی چیز اِنساں سے بالا نہیں!
ہر اِک شے گماں، صرف اِنساں یقیں
مجاز و حقیقت کا شاہ آدمی
کلاہِ سرِ مہر و ماہ آدمی
بہا بخشِ نجم و گہر آدمی
ضیا سنجِ شمس و قمر آدمی
درِ خلد و لعلِ یمن آدمی!
گل و برگ و سرو و سمن آدمی!

اَمینِ خزان و بہار آدمی
گلستاں کا پروردگار آدمی
تقاضائے عرشِ مُبیں آدمی!
تمنّائے فرشِ بریں آدمی
حسین و صبیح و صنم آدمی
نگارِ حدوث و قدم آدمی
زمیں آدمی، آسماں آدمی!
الٰہِ زمان و مکاں آدمی!
نہ ہندو، نہ گبر و مسلماں بنو،
اگر آدمی ہو تو انساں بنو!

نہ اِنساں بَنوگے تو گَل جاؤگے
خود اپنے جہنّم میں جَل جاؤگے

سنّاٹے

۱۹۴۹ء

اَب ہیں پایاب وہ تمنّائیں
جِن کی مِلتی نہ تھیں کبھی تھاہیں

آج تلوار ہیں مرے حق میں!
کل پڑی تھیں گلے میں جو باہیں

اب تو لے دے کے دِل کی نگری میں
چند آنسو ہیں اور کچھ آہیں

لوٹ کر لے گیا بہار کوئی
اب نہ وہ پتّیاں نہ وہ لاہیں

جن میں ہر آن بھیڑ رہتی تھی
کب سے اُجڑی پڑی ہیں وُہ راہیں
رہ رَوؤں کے لیے ترستی ہیں
لشکرِ شوق کی گذرگاہیں!
ہو چکے عاملانِ دِل معزول
نہ وظیفے ہیں اب، نہ تنخواہیں
دَورِ ہجر و وِصال کے دِن کی،
ڈھل گئی دُھوپ، اب کِسے چاہیں
جوش اب تو شباب کی باتیں
ایسی لگتی ہیں جیسے افواہیں

کیا کروں

۱۹۴۹ء

پھر دشنہ ہائے ہندو و مسلم ہیں گرمِ کار
پھر گُتھ گئے ہیں سبحہ و زُنّار، کیا کروں

پھر گیسوئے نشاط میں ہیں بے دلی کے خم
پھر لیلیٰ حیات ہے بیمار، کیا کروں

پھر بارگاہِ زمزمۂ صُلح و امن پر!
چھائی ہوئی ہے شورشِ پیکار، کیا کروں

پھر آدمی ہے مائلِ جور و اسیرِ جنگ
پھر زندگی ہے غم کی خریدار، کیا کروں

اہلِ وطن کے قافلۂ رنگ و نور کی
پھر تیرگی ہے قافلہ سالار، کیا کروں

پھر شہرِ اتفاق و دیارِ نشاط کے،
سونے پڑے ہیں کوچہ و بازار، کیا کروں

ہر دغدغہ ہے بال کشا و رواں دواں
ہر ولولہ ہے نقش بدیوار، کیا کروں

پھر بارگاہِ شبنم و ایوانِ رنگ میں
بھڑکا ہوا ہے شعلۂ طرار، کیا کروں!

پھر خیمۂ سرود و خیابانِ رقص میں
گونجی ہوئی ہے تیغ کی جھنکار، کیا کروں

ذِلّت کے ساتھ حضرتِ اِنساں کی آبرو
پھر لُٹ رہی ہے بَر سَرِ بازار، کیا کروں

خبر کیا تھی

۱۹۴۹

خبر کیا تھی کہ جب بر تائیاں برسیں گی گردوں سے،
نہ آئیں گی رُخِ اہلِ وطن پر سُرخیاں پھر بھی!

خبر کیا تھی کہ جب مضراب بل کھائے گی تاروں پر،
اُٹھے گی حلقۂ رِنداں سے آوازِ فُغاں پھر بھی

کلی چٹکے گی، گُل مہکیں گے، بادل گھر کے آئیں گے
کسے معلوم تھا آئے گا پیغامِ خزاں پھر بھی

خبر کیا تھی کہ جب خاکِ چمن پر رنگ برسے گا
لہو روئے گی چشمِ شاعرِ ہندوستاں پھر بھی

(ناتمام)

اِنتباہ!

(برائے بے ادبانِ سجّادۂ بادہ خواری) ۱۹۴۹ء

مَعاشرانِ خَراباتِ عَصرِ نَو، ہُشیار!
کہ ہے یہ حَلقۂ اَربابِ بَستؔ و اَہلِ کُشاد!
ہَر ایک نغمہ یہاں نوشِ ساز کی تَفسیر!
ہر ایک نَعرہ یہاں نیشِ سوز کی رُوداد
کبھی وفائے رَفیقانِ بَزم قابلِ آہ!
کبھی جَفائے حَریفانِ رَزم دَرخورِ داد
یہاں تَلاطُمِ گرداب تُند حَلقہ بَگوش
یہاں مُطیعِ فَسادات زَلزلے مُنقاد!

یہاں نوازشِ افسر، نہ بخششِ اورنگ
ہر ایک رِند کی ہوتی ہے غَیب سے اِمداد
ہر ایک جُرعہ یہاں ایک قُلزُمِ تلقیں!
ہر ایک جام یہاں اِک مَنارۂ اِرشاد!
ہر ایک راگ یہاں اَوجِ دَہر کا نبّاض
ہر ایک رَقص یہاں موجِ بَحر کا نقّاد!
ہر ایک رَنگ یہاں کانِ نِیلَم و یاقوت
ہر ایک رنگ یہاں جانِ مانیؔ و بہزاد
ہر ایک جِسم یہاں فَخرِ عالَمِ اَرواح
ہَر ایک رِند یہاں نازِ مَجلِسِ زُہّاد!

یہاں نگینۂ ہستی ہے اور خاتمِ کیف

یہاں سفینۂ مستی ہے اور بادِ مُراد

یہاں ہلال میں ڈھلتی ہے خوں چکاں شمشیر

یہاں حریر میں پلتی ہے فطرتِ فولاد

ہر ایک جنگ کا پرچم یہاں علامتِ صُلح!

ہر ایک رنج کا مقدم یہاں بہ خاطرِ شاد!

جو ہو نگاہ تو ہے آفتاب مطلعِ دیں،

یہاں کی خاک کا ہر ایک ذرّۂ اِلحاد

اس انجمن کے اراکینِ مست کے نزدیک

نہ آبروئے معاش و نہ اقتدارِ معاد

بہ ہوش باش کہ یہ انجمن ہے کعبۂ امن
بنا اسے نہ خدا کے لئے محلِّ فساد!
یہاں خلوص سے آتے ہیں متّحد ہونے
تمام عالمِ کون و فساد کے اضداد!
یہاں ہے حلقۂ بیرونِ درِ تصوّرِ غیظ،
یہاں ہے خطبۂ ابلیس حرفِ بغض وعناد
یہ اُن خراب فقیروں کا آشیانہ ہے
جو درسِ مہر و محبت میں ہیں جہاں اُستاد
ہر اِک گدائے خرا بات ہے، بحمدِ اللہ
رحیم و برّ و کریم و رؤف و حیٌّ و جواد

فُغاں، کہ بھیس بدل کر یہاں در آتے ہیں
مُنافِقانِ و سَفیہانِ مُفسِد و کیّاد

یہ بزم وہ ہے جہاں رُوسیاہ ہوتے ہیں
حضورِ پیرِ مُغاں کج روانِ مادرزاد

یہاں سُرور سے ہوتی ہے فضل کی تصدیق
یہاں شعور سے پرکھتے ہیں علم کے اسناد

یہاں نشاط کے آگے نقاب اُلٹتی ہے
شرافتِ نسبی و رذالتِ اجداد

اسی میں خیر ہے اس انجمن سے دور رہیں
خرانِ زشت نہاد و سگانِ کج بنیاد!

یہ آستانۂ خیّام و بایزید و اُوَیس!
نہیں ہے درخورِ چنگیز و شمر و ابنِ زیاد
نگاہ روبروئے اے طالبانِ شیشۂ و مُل
کہ ہے یہ مدرسۂ شاعرِ ملیح آباد
"قدح بہ شرطِ ادب گیر، زانکہ ترکیبش،
زِ کاسۂ سرِ جمشید و بہمن است و قباد"
(حافظ)

دُعا

سنہ ۱۹۴۹ء

اِس کی پَروا نہیں اگر سَو بار!
مُجھ کو آبائے دَہر کردیں عاق
دِل جَلا دے مِرا شُعاعِ عِناد
سَر جُھلس دے مِرا سَمُومِ نِفاق
مَسخ ہو جائے یوں سَرِشت مِری
کہ ہو بُوئے سَمَن بھی مُجھ پر شاق،
میرے مال و مَتاعِ ہستی کو!
لُوٹ لیں چور، چھین لیں قَزّاق

بے کسی ہیں ہوں بے عدیل و نظیر،
بے بسی ہیں ہوں شہرۂ آفاق

مجھ پہ کاہل ہجوم چھا جائے
جسم پر جو بند ہو، نہ روح ہو چاق

شبِ ہستی میں بھول جاؤں راہ
اور نہ تا ہرگز مل سکے چقماق

اس پر آمادہ ہوں کہ فاقوں میں
یاد مجھ کو نہ کر سکے رزّاق

حال میرا خراب ہو اتنا
موت کا زندگی پہ ہو اطلاق

ہو نہ میرا حسابِ رامش و رنگ

عُمر میں ایک بار بھی بے باق

مُجھ کو لیکن عطا نہ کر معبُود

بھُول کر بھی شبِ وصالِ فِراق[1]

---

[1] میرے محبوب دوست، اور مُلک کے مقبُول شاعر حضرت فِراق گورکھپوری، جن کی صُحبتِ شبینہ کو، فراوانی محبت کے باوجود، کوئی برداشت نہیں کرسکتا۔ الحفیظ والاماں!

بربابوشِ قلندر

۱۹۳۹ء

آج پیغامِ اُخوّت ہے اگر حرفِ نفاق
تو زمانے میں نفاق و بُغض کا پُتلا ہوں میں
عقل کی باتیں اگر ہیں آج دیوانوں کی بڑ
تو بہ آوازِ دُہل کہتا ہوں دیوانا ہوں میں
آج اگر جہل و حماقت کا لقب ہے علم و عقل
تو بحمد اللہ علم و عقل سے کورا ہوں میں
خون کا دھارا اگر کہتے ہیں جُوئے رنگ کو
تو بہ سُن لیں اہلِ عالم خون کا دھارا ہوں میں

دَیرِ تمکیں کا پجاری ہے اگر اِک زَلزَلہ

تو بَلا کا زَلزَلہ، آفت کا ہیجکولا ہوں میں!

کارِ نابینا اگر ہے اِمتیازِ خَیر و شَر،

تو کھلے بندوں یہ کہتا ہوں کہ نابینا ہوں میں،

فکرِ اِصلاحِ مَعیشت ہے اگر بچّوں کا کھیل

تو بَہ ایں پیرانہ سالی آج تک بَچّا ہوں میں!

اَمن کی تبلیغ اگر غوغائے نَقضِ اَمن ہے

تو سَراپا ایک نَقضِ اَمن کا غوغا ہوں میں

نعرۂ اِنصاف اگر آوارگی و کفر ہے

تو بُرا نا کافِر و آوارہ و رُسوا ہوں میں

مُنعموں کی دَست بوسی عَینِ تقوٰی ہے اگر،
تو یہ دُنیا کو سُنا دو مُنکرِ تقوٰی ہوں میں

ایک کو جو زِندگی دیتا ہے اور لاکھوں کو مَوت
عاشق اُس بُت کا، نہ اُس اللّٰہ کا بَندا ہوں میں

اِشتراکیَت اگر ہے خِدمتِ دِل خَستگاں
تو یقیناً اِشتراکی قَوم کا مَولیٰ ہوں میں!

حُبِّ اِنساں ہے اگر دُنیا میں گُنڈوں کا شعار
تو مُجھے تَسلیم ہے سب سے بڑا گُنڈا ہوں میں

بے کسوں کی دوستی کارِ شیاطیں ہے اگر
تو فقط شیطاں نہیں، شَیطان کا باوا ہوں میں

نفیٔ کامل کا امین، اثباتِ ناقص کا حریف،
جو نہیں جاتا ہے اِلّا اللہ تک وہ لا ہوں میں

وہ بتِ کف در دہاں ہو یا خدائے شعلہ خو،
جس کو جو کرنا ہو، کر لے، رندِ بے پروا ہوں میں

سامری کی آل برہم ہے تو کیا پروا کہ جوش
دستِ عالم میں عصائے حضرتِ موسیٰ ہوں میں

اے حسنِ فرنگ[1]

۱۹۴۵ء

اے کہ تیرا ہر تبسّم جوئے صد کامِ نہنگ
ہند سے یہ عربدے تا چند اے حسنِ فرنگ

اے بہ دِل سنگِ سیاہ و اے بہ رُخ ماہِ مبیں!
اے بہ ظاہر سرد و باسط، اے بہ باطن گرم و تنگ

نیل[2] کی مقدار پر موقوف ہے رادھا کا رقص
الاماں یہ شرطِ باطل، الحذر یہ عذرِ لنگ

تا کجا یہ "دشنہ پنہاں" اور یہ "نشتر کھلا"
اے نگارانِ سبک مائے دِل برانِ شوخ و شنگ

۱ یہ نظم آزادیٔ ہند سے بیشتر کہی گئی تھی۔ ۲ آزادیٔ ہند کی شرطِ اولین تھی یہاں کے تمام باشندوں کا

تا کُجا کھائیں گے غوطے خوں کے گرداب میں

ناظرانِ نبضِ کوثر ، ناقدانِ موجِ گنگ

تا بہ کَے آخر رہیں گے تیرہ بختی کا شکار!

مُرشدانِ ماہ و انجم ، خواجگانِ آب و رنگ؟

تا کُجا یہ اِنتشارِ طبعِ اربابِ نیاز!

اے گروہِ شاہدانِ خامِ صُلح و پُختہ جنگ

تا بہ کَے نازک خیالانِ بلوریں طبع پر!

دستِ گوہر بار سے یہ بارشِ سندان و سنگ

(ناتمام)

نئے مُہرے

سنہ ۱۹۴۷ء

کھلاڑی اب کے لائے ہیں نئے مُہرے نئے پانسے[1]

کہ "نا" اس بار کھیلیں ہند والوں کی رگِ جاں سے

بڑی کاری گری کے ساتھ شاطر نے تراشے ہیں،

نئے دھوکے، نئے حیلے، نئے چکمے، نئے جھانسے

ہزاروں تجربوں کے بعد اب یہ عقل آئی ہے

کِسے نپکے، کِسے گھرکے، کِسے چھوڑے، کِسے پھانسے

سمجھ میں اب یہ آیا ہے کہ انساں چال بازی میں

کہاں روئے، کہاں گائے، کہاں گرجے، کہاں کھانسے

[1] کرپس مشن کے موقع پر۔

یہ ٹھانی ہے کہ اب چھپ چھپ کے ہوں گی پیار کی باتیں
کبھی کالی چرن جی سے کبھی احمد حسن خاں سے
انوکھی چال سوجھی ہے کہ تاجِ خسروی دے کر
بجھا دے شمعِ ہستی، کاٹ دے سر، توڑ دے بل سے

طُلوعِ

۱۹۴۴ء

فَلک پر خُسروِ خاوَر نے وُہ زَرّیں عَلَم کھولا!

اور اِس خوبی سے گویا غُرفۂ بیتُ الصَّنَم کھولا!

نظر کو طاقتِ نظّارہ بخشی، نورِ مشرِق نے،

درِ "لا" بند کر کے حُسن نے بابِ "نعَم" کھولا!

ہُوئی کُچھ اِس کسک کے ساتھ جُنبِش قلبِ شبنم میں

عَروسِ غُنچہ نے گھونگٹ کا پَٹ باچشمِ نَم کھولا

شَبِستاں نے کُھلی زُلفوں میں بَل کھا کر گرہ باندھی

چَمَن نے گیسوئے سر بستہ کا ہر پیچ و خَم کھولا!

(نا تمام)

عَجِیب اُفتاد

جنوری ۱۹۵۰ء

کَون سمجھے گا یہ عَجِیب اُفتاد

اے مِری دِل نَواز و مَحرَمِ راز

پاس کِتنا ہے ہِند و پاکِستان

دُور کِتنی ہے بَزمِ راز و نیاز

تُو ہے بَرباد ، اور میں آباد

میں ہُوں مَحمُود ، اور تُو ہے اَیاز

پَرتَوِ سِحر سے بھی تُو مَحرُوم

اور میں کم بَخت مَشعلِ اِعجاز!

زاغ، سرگرمِ صد نوا سنجی،
اور لب بستہ بلبلِ شیراز
تاج ور، اور نیازمندِ کشک
کفش بردار، اور مسندِ ناز
تو گہن میں ہے اور میں تاباں
تو خموشی ہے، اور میں آواز
دُر، سرِ خاک اور خزف سرِ تاج
شاہ مجہول، اور گدا ممتاز
وائے دنیا کہ بُت کی قدر نہ ہو
اور برہمن ہو صاحبِ اعزاز

میرا چہرہ جلال کا مظہر!

تیری آنکھیں ملال کی غماز

تو بہ جورِ حیات گرمِ فغاں

میں بہ جبرِ سرشت نغمہ طراز

میری مستی میں ساز کے تیور

تیری ہستی میں سوز کے انداز

میں سُبک سارِ جادۂ ہموار

تو گرانبارِ صد نشیب و فراز

گرد آلودہ و مکدر تو!!

اور میں روشِ سیاہ آئینہ ساز

کہکشانِ دَمیدَہ ، زیر و زَبر

کاہِ زَرد و خَمیدَہ ، سَر اَفراز

حُسن، صَیدِ زَبوں و رِشتہ بہ پا،

عِشق ، آزاد و صاحبِ پَرواز

ہائے تو دَردمَند ، اور میں طَبیب

حیف تو بَندہ ، اور میں بَندہ نَواز

”میں اور آرائشِ خَمِ گیسو!

تو اور اَندیشہ ہائے دُور و دَراز“ [۱]

تُف ہے اے روزگارِ سَنگ پَسند

لَعنت اے اِنقلابِ شیشہ گُداز

[۱] حضرت میرزا غالبؔ مُعاف فرمائیں۔

مَوت، اے مَوت، دَستگیری کر،

اُف یہ اَنجام، ہائے وُہ آغاز!!

سویرا

۱۹۴۷ء

ہاں یہ پونے[1] کی صبحِ تاباں ہے
نہر ہے، جھاڑیاں ہیں، میداں ہے
اک طرف طول و عرضِ "گولی[2] یار"
اک طرف مقبرے کی سُن دیوار
پُل پر امواج کی ہے جولانی!
رِس رہا ہے ذرا ذرا پانی
کروٹیں لے رہا ہے چرخ پہ نور
سلسلے کوہسار کے نادور

[1] شہر پونا، جہاں یہ نظم نازل ہوئی تھی۔ [2] پونے کے ایک کشادہ میدان کا نام۔

نَہر کے پیچ و خم میں بَرنائی
کم سِنی لے رہی ہے انگڑائی

وَلوَلے ہیں گُلوں کی خوشبو میں
لیکن اب دِل نہیں ہے پہلو میں

عَقل کی اب تو حُکم رانی ہے
مَوت کے بس میں زِندگانی ہے

دِل میں شورِش ہے نہ سَر میں غنّاٹا
عَقل کا ہَول ناک سنّاٹا!

ایک تھی وُہ بھی صُبحِ خوش بُنیاد
صُبحِ رامِش گرِ مَلیح آباد!!

گُل بہ کَف، مِشک بار، زَمزَمہ سَنج
لیلیٰ مَحمِلِ آمانی[۱] گنج!!

رُوح میں کروَٹیں بَدلتی صُبح
جھُومتی، کھیلتی، مَچلتی صُبح!

بُوئے انفاس سے مُعَطّر صُبح!
رُوئے ناشُستہ سے مُنَوّر صُبح

مَست پنگھٹ پہ گُن گُناتی صُبح
جھُومتی، ناچتی، نَچاتی صُبح

لاجوَردی، کبھی بَسنتی صُبح!
بے جھِجک، گاہ لاجوَنتی صُبح

[۱] محلّے کا نام۔

چَمپئی، سَبز، سُرخ، دھانی صُبح

رَقصِ طاؤسِ نَوجوانی صُبح

نیند میں بھولتی، بھٹکتی صُبح!

سایۂ زُلف میں چٹکتی صُبح

خَلوتِ نازکا فَسانہ صُبح

گُل وشبنم کا شامیانہ صُبح

سَرد، سادہ، سجل، سُہانی صُبح

اَبلا، انمول، ارغوانی صُبح

چُٹکلا، داستاں، پہیلی صُبح

ننھی، ناکدخُدا، نویلی صُبح

زِندگانی حرام ہے اے دوست
اَب تو ہر صبح، شام ہے اے دوست
اَب سویرا ہے زِندگانی کا،
آخری لفظ ہوں کہانی کا

آیینِ شباب

۱۹۴۹ء

ہزار شکر کہ ہوں محرمِ بہار ہنوز
چمن فروش و گہر ریز و نغمہ بار ہنوز

فُتورِ عشق کی ہل چل کو مدتیں گزریں
ہجومِ عقل سے رہتا ہوں شرمسار ہنوز

وقارِ علم مسلّط ہے اِک زمانے سے
مگر جنوں کا مسلّم ہے اعتبار ہنوز

درِ دماغ پہ ہیں سجدہ ریز یاں، لیکن
صبا سے گونجنے لگتے ہیں دِل کے تار ہنوز

صریرِ خامہ کی فرماں روائیاں ہیں مگر
رباب و چنگ کا جاری ہے کاروبار ہنوز

خروشِ دہر ہے معنی فروش و مالا مال
حدیثِ کعبہ نہیں حرفِ مایہ دار ہنوز

طرب کے قصر پہ غلطیدہ ہے یخِ ایام
طلب کے خون میں رقصندہ ہیں شرار ہنوز

دیارِ عمر پہ چھائی ہوئی ہے خاموشی
دلِ وجود میں ہے شورِ آبشار ہنوز

رخِ نشاط پہ چھایا ہوا ہے رنگِ جمود
رگِ حیات میں غلطاں ہے جوئے بار ہنوز

دِل اب بھی زِندہ ہے یہ پوچھ لو ستاروں سے
یہ دیکھتے ہیں مجھے اکثر اَشک بار ہنوز
مِری حیات، مرے وَقت کے کلیجے میں
تپاں ہے وَعدۂ فَردا کا اِنتظار ہنوز
ہزار شکر کہ مس ہو رہی ہے نشہ رگ سے
کسی نظر کی کٹاری کی تیز دھار ہنوز
بہ جبرِ عقل، کراہت کے ساتھ دست بہ کار
بہ جذبِ عشق خوشی سے ہوں دل بہ یار ہنوز
تلاشِ گل کا زمانہ گزر چکا، لیکن
گرہ کشا ہے تمنّا کی نوکِ خار ہنوز

نفَس کا دشنہ ہے بوئے گلِ سمن اَب تک
جگر کا تیر ہے صوتِ دف و ستار ہنوز
برس رہی ہے مرے خیمۂ تخیّل پر
ترانہ سنجیِ مرغانِ شاخسار ہنوز
کسی کے دستِ حنائی نے جن کو بخشا تھا
پڑے ہوئے ہیں گلے میں وہ تازہ ہار ہنوز
پکار دو یہ جوانانِ پیرِ فطرت میں
کہ ہوں دیارِ جوانی کا شہریار ہنوز
مری جناب میں ہیں سرنگوں نگار اب تک
مری جلو میں ہیں صف بستہ گل عذار ہنوز

مِری حیات کے شانوں پہ اِس غُبار میں بھی
مَچل رہی ہے کوئی زُلفِ مُشک بار ہنوز
بہ زیرِ سایۂ موئے سفید و بختِ سیاہ
رَواں ہے قافلۂ ابرِ سبزہ زار ہنوز
کبھی چمن، کبھی دریا، کبھی گُہر، کبھی گُل
مِری نظر کو نہیں فُرصتِ قرار ہنوز
خزاں کا دَور ہے، پھر بھی مرے تعاقُب میں
دَواں ہیں جوشؔ رسولانِ صد بہار ہنوز

بازگرفتاری

۱۹۴۷ء

جھٹ پٹا وقت ہے، انوار کو بیدار کریں
آؤ پھر تذکرۂ کاکُل و رُخسار کریں!

اُس جنوں کو کہ ہے اب مُعتکِف و گوشہ نشیں!
آؤ پھر دشت نوردی کا طلب گار کریں

آؤ آزُردہ جوانی کو منا کر لے آئیں،
آؤ پھر مردِ فگن وقت سے پیکار کریں

اُس مجاہد کو کہ اب اہلِ خرد کا ہے مرید
آؤ پھر لشکرِ خوباں کا علمدار کریں

* اس نظم میں ردیف کو کہیں کہیں "بنا دیں" وغیرہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ معنوی خوبی کی خاطر روزمرّہ میں تصرّف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر شخص کو اجازت نہیں۔

آؤ پھر سینۂ تمکیں میں تلاطم بھر دیں
آؤ پھر دامنِ شبنم کو شرر بار کریں
ذوقِ افسردہ کو پھر سوزِ تمنا بخشیں
جان کو پھر گروِ حسنِ دل آزار کریں
اُس نظر کو کہ ہے اب محوِ حروف و اعراب
آؤ پھر غرقِ نقوشِ لب و رخسار کریں
عشوۂ برق کے مدّاحِ فلک پیما کو،
آؤ پھر معتقدِ شوخیٔ رفتار کریں
آؤ پھر عشق کو تشریفِ امامت بخشیں
آؤ پھر عقل کو رسوا سرِ بازار کریں

مُرّدِ تازۂ ادیانِ صنم کاری کو،
آؤ ایمان کی تجدید پہ طیار کریں
آؤ پھر غنچۂ خاطر کو دوبارہ چٹکائیں
آؤ پھر جذبۂ خوابیدہ کو بیدار کریں
آؤ پھر مرتبۂ جہل پر ایماں لے آئیں
آؤ پھر منزلتِ علم کا انکار کریں!
آؤ اِس گنبدِ زنگار کے سنّاٹے کو
پھر کسی شوخ کی پازیب کی جھنکار کریں
آؤ پھر کفر کو دیں دعوتِ رقص و مستی
آؤ ایمان کو پھر نقش بہ دیوار کریں

آؤ، اِس بحر کو پھر موجِ تمنّا بخشیں
آؤ، اِس زہر کو پھر آبِ سَمَن زار کریں
بادۂ شوق سے آنکھوں کو فروزاں کر کے
دِل کے طوفان کا چہروں سے بھی اظہار کریں
غُنچے غُنچے میں پھر آہنگِ ترنّم بھر دیں
ذرّے ذرّے کو پھر آمادۂ گُفتار کریں
آئی ہے چرخ سے اُلٹے ہوئے گھونگٹ سُرخی
آؤ، پھر سجدہ سُوئے خانۂ خمّار کریں
آؤ، انفاس کو پھر نکہتِ بُستاں بخشیں
آؤ، تخئیل کو پھر مصر کا بازار کریں

سر بہ زانو ہے قمر، ڈوب رہے ہیں تارے
چشمِ خوں بستہ کو پھر آؤ گہر بار کریں

آؤ پھر لیلیٰ احساس و مشامِ جاں کو
عنبر و عود کی لپٹوں کا خریدار کریں

ہو چکی ہے مرضِ عشق سے جس کو صحت،
پھر سے اُس رندِ شفا گشتہ کو بیمار کریں

آؤ پھر ولولۂ شوق کو دیں رخصتِ رقص
آؤ، پھر سطحِ مہ و سال کو ہموار کریں

آؤ، اِس دامِ شکن جوش کے دانا دل کو
پھر کسی حلقۂ گیسو میں گرفتار کریں

رنگین رات کا پچھلا پہر

۱۹۴۶ء

غلطاں ہے تابِ صبح میں خوابِ شبِ نکو

محرابِ رقص و رنگ میں ہے شورِ ہاؤ ہو

گلشن ہے مست، گوش بر آوازِ بلبلیں

گل ہائے نو دمیدہ میں ہے طرفہ گفتگو

شبنم فروش سلسلۂ کوہ سار نے

آئینے رکھ دیئے ہیں ستاروں کے روبرو

غلطیدہ بادِ نرم میں ہے نغمۂ نشاط

رقصیدہ بوئے لالہ میں ہے لیلیٰ نمو!

بَرسا رہا ہے باغ پر اَفسانۂ وفسُوں

رَنگِ فضائے ساحِل و رَقصِ ہوائے جُو

"حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ" کی شورِش سے قبل ہی

لہرا رہا ہے نغمۂ "حَیَّ عَلَی الصَّبُوْ!"[1]

دارُالعَمَل[2] کے شیشۂ نازک میں عشق نے

رکھّا ہے اِمتحاں کے لئے عقل کا لہُو!

یوُں ہر نظر کے تار پہ ہے تابِ رُوئے یار

جیسے ہوا کی موج پہ زُلفِ رسا کی بُو

صَہبا چھلک رہی ہے سِتاروں کے جام سے

بُو (لو)، نغمہ زن ہیں باغ کے ذرّاتِ خوش گلُو

[1] از روئے قاعدۂ زبانی یہ ترکیب غلط ہے، لیکن از روئے قاعدۂ روانی صحیح ہے۔ اس مصرع کو صحت کے ساتھ یوں پڑھا جا سکتا ہے۔ ع لہرا رہی ہے چرخ پہ گلبانگِ "دا الشربوا"

[2] LABORATORY

ہر شوخ ہے اِس انجمنِ آب و رنگ میں
پیچیدہ مو، نگارِ سمن بو، غزالہ خو
پھر ہیں طرب شعار و فسوں کار و نغمہ بار
ترکانِ مہر طینت و خوبانِ ماہ رو
اُمڈی جوانیاں ہیں کہ ہل چل میں کشتیاں
چھلکے ہوئے بدن ہیں کہ چھلکے ہوئے سبو!
پھر مستیوں کے جوش نے دریا بہا دیئے
ہوں گے گلی اہلِ شہر میں چرچے یہ کو بہ کو

الھڑ کامنی

۱۹۴۸ء

نازسے چونکی ہے یوں اک مست الھڑ کامنی
جیسے اٹھلاتی کرن سے رسمساتی ہے ندی
چاندسے ماتھے پہ جنبش میں مہکتی کاکلیں،
کاکلوں کے زیرِ سایہ جھٹ پٹے کی موہنی
جھلملاتی شمع کی ضو میں یہ رخساروں کا رنگ
چھاؤں میں تاروں کی جیسے تختیاں الماس کی
کروٹوں میں کم سنی کے ولولوں کی چٹکیاں
انکھڑیوں میں بھیرویں انگڑائیاں لیتی ہوئی

مُنتشر زُلفوں میں رَقصندہ رَسیلی شوخیاں!

نیم وا آنکھوں میں غلطیدہ نشیلی راگنی!

کروٹوں سے کھُل رہا ہے جسم کا یوں بند بند،

کھِل رہی ہے ناز سے گویا چنبیلی کی کلی

صُبح کے مسلے ہوئے بستر پہ قامت کی پھبن

"شام" کے ترشے ہوئے ہونٹوں پہ جیسے بانسری

جوں صنم خانے میں پچھلی رات پھولوں کی مہک

سر سے چادر کے سرکتے ہی وہ لپٹیں جسم کی

کانپتی لَو سے لب و رُخسار پر وہ دھوپ چھاؤں

پھول بن میں جیسے اُڑتے جگنوؤں کی روشنی

خُفتہ باسی ہار پر بکھری ہُوئی زُلفِ دوتا

اور بکھری زُلف میں اُلجھی ہُوئی چمپا کلی

سُرخ جوشن، بِچھیاں کالی، کلائی لالہ رنگ

رُخ گُلابی، شبنمی دھانی، دُلائی سُرمئی

بِن دُھلے مُکھڑے پر ایسی مُسکراہٹ جس طرح

پنکھڑی کی اوس پر پِچھلے پہر کی چاندنی!

جُنبشِ مژگاں میں گدّر ولولوں کی چشمکیں

جوش کے نغمات میں جس طرح موجِ زندگی

پند نامہ

۱۹۴۹ء

اے مجازؔ[1]، اے ترانہ بارِ مجاز

زندہ پیغمبرِ بہار، مجاز

اے بہ روئے سمن وشاں گل پوش

اے بہ کوئے مغاں تمام خروش

اے پرستارِ مہ رخانِ جہاں

اے کمان دارِ شاعرانِ جواں

تجھ سے تاباں جبینِ مستقبل،

اے مرے سینۂ امید کے دل

[1] اسرار الحق مجازؔ ردولوی)

اے مجازؔ، اے مُبصّرِ قد و خال،
اے شعورِ جمال و شمعِ خیال
اے ثُریّا فریب و زُہرہ نواز
شاعرِ مست و رِندِ شاہد باز
ناقدِ عشوۂ شباب ہے تو،
صُبحِ فردا کا آفتاب ہے تو،
تُجھ کو آیا ہوں آج سمجھانے
حیف ہے تو، اگر بُرا مانے!!
خود کو غرقِ شرابِ ناب نہ کر
دیکھ، اپنے کو یوں خراب نہ کر

شاعِری کو تِری ضُرورَت ہے
دَورِ فَردا کی تُوٗ اَمانَت ہے
صِرف تیری بھَلائی کو اے جاں
بَن کے آیا ہوُں، "ناصِحِ ناداں"
ایک ٹھَہراؤ، اِک تھَکان ہے تُوٗ
دیکھ، کِس دَرجَہ دھان پان ہے تُوٗ
ننگ ہے مَحض اُستُخواں ہونا
سَخت اِہانت ہے ناتُواں ہونا
اُستُخوانی بَدَن، دُخانی پوست
ایک سنگین جُرم ہے اے دوست

شَرم کی بات ہے وُجودِ سقیم!
ناتوانی ہے اِک گُناہِ عظیم!

"جسم" اور "علم" طُرفہ طاقت ہے
یہی انسان کی نبوّت ہے [1]

جو ضَعیف و عَلیل ہوتا ہے
عشق میں بھی ذَلیل ہوتا ہے

ہر ہُنر کو جو ایک دَولت ہے
علم اور جِسم کی ضرورت ہے

کثرتِ بادہ رنگ لاتی ہے،
آدمی کو لہو رُلاتی ہے!

[1] قرآن نے طالوت کی دلیلِ نبوّت میں "علم" و "جسم" کو پیش کیا ہے۔

خوش دلوں کو رُلا کے ہنستی ہے
شمعِ اخترؔ[1] بجھا کے ہنستی ہے
اور جب آفت جگرؔ[2] پہ لاتی ہے
رِند کو مولوی[3] بناتی ہے
مَے سے ہوتا ہے مقصدِ دِل فوت
مَے ہے بُنیادِ مولویّت و موت!
کان میں سُن، یہ بات ہے نشتر،
مولویّت ہے موت سے بدتر!
اِس سے ہوتا ہے کارِ عُمر تمام
اُس سے ہوتا ہے عقل کو سرسام

[1] اخترؔ شیرانی مرحوم ۔ [2] حضرت جگرؔ مرادآبادی موجود ۔ [3] الاماں والحفیظ!!

اِس میں اِنساں کی جان جاتی ہے
اُس میں شاعِر کی آن جاتی ہے
یہ زَمین آسمان کیا شَے ہے
آن جائے تو جان کیا شَے ہے
گوہَرِ شاہ وار چُن پیارے
مُجھ سے اِک گُر کی بات سُن پیارے
غَم تو بَنتا ہے چار دِن میں نشاط!
شادمانی سے رہ بَہُت مُحتاط!
غَم کے مارے تو جی رہے ہیں ہزار
نہیں بَچتے ہیں عیش کے بیمار

آن میں دِل کے پار ہوتی ہے
پنکھڑی میں وُہ دَھار ہوتی ہے
جوئے عِشرت میں غم کے دَھارے ہیں
یخ و شبنم میں بھی شرارے ہیں
ہاں سنبھل کر لطافتوں کو برت
ٹوٹ جائے کہیں نہ کوئی پرت
دیکھ کر شِیشۂ نشاط اُٹھا!
یہ ورق ہے، ورق ہے سونے کا
کاغذِ بادیہ نگینہ ہے!!
بلکہ اے دوست آبگینہ ہے

ساغرِ شبنم خوش آب ہے یہ
آبگینہ نہیں، حباب ہے یہ
روک لے سانس، جو قریب آئے
ٹھیس اِس کو، کہیں نہ لگ جائے
تیغِ مستی کو اِحتیاط سے چھو
ورنہ ٹپکے گا اُنگلیوں سے لہو
مستیوں میں ہے تابِ جلوۂ ماہ
اور یہ مستیاں، خدا کی پناہ
خوب ہے ایک حد پہ قائم نشّہ،
ہلکا پھلکا، سبک ملائم نشّہ!

ہاں اَدَب سے اُٹھا، اَدَب سے جام،
تاکہ آبِ حلال ہو نہ حَرَام

جام پر جام جو چڑھاتے ہیں
اُونٹ کی طرح بَل بَلاتے ہیں

زِندَگی کی ہَوَس میں مرتے ہیں
مَے کو رُسوائے دَہر کرتے ہیں

لہ یاد ہے؟ جب جگر چڑھاتے تھے
کیا اَلِف ہو کے ہِن ہِناتے تھے

میری گردَن میں — بھر کے چند آہیں،
پاؤں سے ڈالتے تھے وہ بانہیں

لہ میرے حبیبِ موقّر اور رفیقِ منفرد حضرت جگر مُرادآبادی (ساقیِ مشہور) اپنے زمانۂ رِندی میں بھی ظاہری تَر دامنی کے باوجود، بہ باطن ماشاء اللہ ایک زاہدِ خشک ہی تھے — اور اب تو ① ازرُوئے طریقت صوفیائے خوش کلام اپنے دَورِ رِندگی میں، اور ② ازرُوئے شریعت قلندرانِ کرام، اپنے دَورِ اِرتداد میں وہ نامِ خدا، ایک ایسے چھوٹے موٹے پوپ یا ادھّے قسم کے پیرجی بن چکے ہیں، جیسے محراب خانقاہ، مزارِ عبدل شاہ اور مریدانِ گردن کوتاہ کا اِنتہائی ذوق اور شدید اِنتظار ہے اور اِس کرب اِنتظار میں گڑگڑا، گڑگڑا، اور ناک رگڑ رگڑ کر، بوڑھی بیواؤں کی طرح وہ صبح و شام دُعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اے مُسبّبِ مُقلّبُ القلوب مجھ بُلبلِ بُستانِ غزل سرائی کو جلد سے جلد داغِ "تکیۂ شریف" میں تبدیل فرما دے تاکہ حورانِ بہشتی کا صدقہ بن سکوں — قبول مبادا ایں دُعائے ناہنجار، یا جبّارُ یا قہّارُ!

عَقْل کی موت ، عِلْم کی پستی
اَلْاَماں لَعْنَتِ سِیَہ مستی
اُف ، گھٹا ٹوپ نَشّے کا طُوفان
بھُوت ، عِفرِیت ، دیو ، جِن ، شَیطان
لات ، گھُونسا ، چھَڑی ، چھُری ، چاکو
لِب لِباہٹ ، لُعاب ، کَف ، بَدبُو
لَڑکھَڑاہٹ ، بِلوَتے ، بَڑ ، ہِذیان
بے کَلی ، نیند ، بے خودی ، نِسیان
طَنز ، آوازہ ، بَرہمی ، اَفسَاد !
طَعن ، تَشنیع ، مَضحکہ ، اِیراد

شور ، ہُو حَق ، اَبے تبے ، ہے ہے

اَوکھیاں ، گالیاں ، دھماکے ، قے

مَس مَساہٹ ، غشی ، تپش ، چکّر ،

سوز ، سَیلاب ، سَنسَنی ، صَرصَر

اِستحالہ ، اِہانت ، اِستغفار

اِختراق ، اِحتباس ، اِستکبار

چل پچخے ، چخ ، چُناں چُنیں ، چنگھاڑ

چُخ پچخے ، چاؤں چاؤں ، چبل چلھاڑ

مَعرکہ ، مفسدہ ، محاذ ، مَصاف

گونج ، گالم گلوج ، گرز ، گزاف

دُردَبگ ، دوڑ ، دَھرپَٹخ، دوں دوں

غُل غَپاڑہ ، غَنَن غَنَن ، غوں غوں

لَپاڈُگی ، لَتاڑ ، لام ، لڑائی

ہَول ، ہیجان ، ہانک ، ہاتھاپائی

اُوبھ ، اندوہ ، آہ ، اُف ، آزار

اونگھ ، آشفتگی ، عَرق ، اِدبار

کھل بلی ، کاؤں کاؤں ، کھٹ مَنڈل

ہونک ، ہنگامہ ، ہَم ہمہ ، ہَل چل

پینتڑے ، پیچ ، پُشتکیں ، پُھنکار

ڈَغ ڈَغے، ڈھائیں ڈھائیں، ڈینگ، ڈکا

اُلجھن ، آوارگی ، اُدَھم ، اَینٹھن!

بَھونک ، بھوں بھوں ، بُھنَن بَھنَن بَھن بَھن

دَھول دَھپا ، دَھکڑ پکڑ ، دُھتکار!

تَہلکہ ، تُوتَڑاق ، تُف ـــــ ، تکرار!

بُو ، بَھبَک ، بَھبے ، بَکَس ، بَرَر ، بَھونچال

دَبدَبے ، دَندَناہٹیں ، دَھمال!

بَل بَلاہَٹ ، بُخار ، بَھنّاٹا

غُلغُلہ ، غُل ، غَریو ، غَنّاٹا

تَشنگی و تَکان و تُندیٔ و تاب

گَردِش و گَرد و گرمیٔ و گِرداب

غَم کے سَیلاب ، غَیظ کے دَھارے
آبلے ، آگ ، آنچ ، اَنگارے
گاہ خوں خواریٔ و جَفا کوشی،
گاہ پابوسیٔ و ہم آغوشی!
گاہ نرمیٔ و لُطف و مِہر و سَلام
گاہ تَلخیٔ و تُرشیٔ و دُشنام
گاہ وَجہِ فَساد و باعِثِ ضِیق
گاہ اشکِ غَلیظ و حَرفِ رَقیق
گاہ یہ چیخ ، تان کر بَھالا،
"اُف یہ کِس نے کہا مجُھے سالا"

عَقل کی مَوت ، عِلم کی پستی

اَلاَ ماں لَعنَتِ سِیَہ مَستی !

صِرف نَشّے کی بھیگنے دے مَسیں

اُن کو بَنّنے نہ دے کبھی مونچھیں

الاَماں ، خوف ناک کا لا نَشّہ ،

اُوہ ، رِیش و بُرُوت والا نَشّہ

اَژدرِ مَرگ و دیوِ غُول خوارِی

اَلاَماں نَشّہ ”جَٹا دھاری“[۱]

نَشّے کا ”جُھٹ پُٹا“ ہے نُورِ حیات

”جُھٹ پٹے“ کو بَنا نہ کالی رات

[۱] اگر صوتی کراہت نہ پیدا ہو تو ہندی کے ساتھ عطف و اضافت جائز ہے۔

نشّے کی تیز رَوشنی بھی غَلَط
چَودھویں کی سی چاندنی بھی غَلَط
ذہنِ اِنساں کو بَخشتا ہے جَمال
نَشّہ ہو جب بَہ قَدرِ نورِ ہِلال
غُرّۂ عَقل بھیڑ تو، اَکثر!
پَر اُسے کچھ کچھا کے بند نہ کر!
رات کو لُطفِ جام ہے پیارے
دِن کا پینا حَرام ہے پیارے
دِن ہے عِفرِیتِ آز کی کھنکار،
رات پازیبِ ناز کی جھنکار!

دِن ، خم و پیچ جادۂ تدبیر!

رات ، زُلفِ دراز و یارِ صغیر!

دِن ہے خاشاک ، خاک ، دُھول ، دُھواں

رات ۔ آئینہ ، انجُمن ، افشاں

دِن ہے دریائے اِکتساب کی لہَر

رات ۔ چنگ و رباب و کشتی و نہر

دِن سپہرِ سحابِ دود و بُخار ،

رات ۔ شہرِ ثوابت و سیّار

دِن مُسلّح ، دَداں ، کمر بستہ

رات ۔ طاق و رَواق و گُلدستہ

دِن ہے کف، سنگلاخ، پتھر، سِل
رات — بلّور و آبگینہ و دِل

دِن ہے دُبچی، لگام، زین، رکاب
رات — شمع و شراب و شعر و شباب

دِن ہے فولاد، سنگ، تیغ، علَم
رات — کمخواب، پنکھڑی، شبنم

دِن ہے شیون، دُہائیاں، دُکھڑے
رات — مست انکھڑیاں، جواں مکھڑے

دِن ہے فریاد، آہ، شورِش، غُل
رات — زانوئے ناز و تختۂ گُل

دِن ہے طُغیانِ جَہد و سیلِ شعور
رات۔ انگور و طور و حور و قصور

دِن ہتوڑا، کُدال، قینچی، جال
رات۔ عود و[1] اگر، عبیر و گُلال!

دِن، کڑی دھوپ کی بدآہنگی!
رات پچھلے پہر کی سارنگی!

دِن، بہادر کا بان، بیر کی رتھ
رات۔ چمپا کلی، انگوٹھی، نتھ!

دِن ہے اِک کوہِ گرم و گرد ڈول بوس
رات۔ تتلی کا رنگ، پھول کی اوس

[1] ہندی الفاظ کے ساتھ بھی اگر کراہت نہ پیدا ہو، عطف و اضافت کا عمل کیا جا سکتا ہے۔

دِن ہے دُکان، دَمدمہ، دُلدُل
رات — محراب و مستیٔ و مشعل
دِن ہے تسخیرِ بزمِ آب و گِل
رات — تصویرِ لیلیٰ و محمِل
دِن ہے تحقیق، جستجو، اِیجاد
رات — بربط، بنفشہ، بادِ مُراد
دِن ہے تلخی بدوش و تُرشِ اوقات
رات — شہد و شکر، شمیم و نبات
دِن ہے شہرِ علوم و بابِ کتاب
رات — روئے حبیب و رنگِ شراب

دِن ہے تنقید[۱] و فِکر و دَرس و نظَر
رات سَوسَن، گُلاب، نیلوفَر

دِن ہے طوفانِ جُنبش و رفتار
رات میزانِ کاکُل و رُخسار

دِن ہے نبّاضِ بحر و ناقدِ بر
رات تسنیم و چشمۂ کوثر!

دِن ہے شمشیر و تیغ و سَیل و سَموم
رات طاؤس و ماہ و عود و نجوم

دِن ہے گرداب، گونج، گرمی، گرد
رات ساکن، سُبک، سُہانی، سَرد

[۱] "نقد" و "انتقاد" کے معنے میں یہ لفظ اِس قدر عام ہو چکا ہے کہ اِسے قبول کر کے اِس کے ساتھ ترکیب کو بھی جائز کر دینا چاہئے۔

دِن، دَماغ و دِلِ بُلبُل و دَفِ فُرزدواب
رات — رَیحان و رُقص و رَنگ و رَباب

آفتاب و شراب ہیں بسیری
بوتلیں دِن کو ہیں پِچِھل پیری

کر نہ پامال حُرمتِ اوقات
رات کو دِن بنا، نہ دِن کو رات

پی — مگر صِرف شام کے ہنگام
اور وُہ بھی بہ قدرِ یک دو جام!

وُہی اِنساں ہے خورّم و خورسندؔ
جو ہے مِقدار و وَقت کا پابند

ٗ میں اِس لفظ کو "داد" کے ساتھ اِس لئے لکھتا ہوں کہ کوئی اسے "خُرَم" نہ پڑھ لے۔

میرے پینے ہی پر نہ جا مِری جان
مُجھ سے جینا بھی سیکھ، میں قُربان
اُس کے پینے میں رنگ آتا ہے
جِس کو جینے کا ڈھنگ آتا ہے
یہ نصائح بہُت ہیں بیش بہا!
جلد سو، جلد جاگ، جلد نہا!
باغ میں جا طلُوع سے پہلے
تا نِگارِ سحر سے دِل بہلے
سرو و شمشاد کو گلے سے لگا
ہر چمن زاد کو گلے سے لگا

مُنھ اَندھیرے فضائے گُلشَن دیکھ
ساحل و سبزہ زار و سوسَن دیکھ
گاہ آوارہ ابر پارے دیکھ
اُن کی رَفتار میں سِتارے دیکھ
جَیسے کُہرے میں تاب روئے نکو،
جَیسے جنگل میں رات کو جُگنو!
گُل کا مُنھ چوم اِک تَرَنُّم سے
شَہر کو گُدگُدا تَبَسُّم سے
جِسم کو کر عَرَق سے نَم آلود
تاکہ شبنم پڑھے لہک کے دُرُود

پھینک سنجیدگی کا سر سے بار
ناچ ، اُچھل ، دَندنا ، چھلانگیں مار
دیکھ آبِ رواں کا آئینہ
دُور ساحل پہ تان کر سینہ
دُور فرما کتنا فتیں شہری
پھول کو سونگھ ، سانس لے گہری
جھوم گُل ریز شاخساروں میں
گھوم افسانہ بیز تاروں میں
سر پہ الوان کی روانی دیکھ
سرو و سُنبل کی نوجوانی دیکھ

مستِ چڑیوں کا چہ چہانا سُن،
موجِ نَو مَشق کا ترّانا سُن
بوستاں میں صَبا کا چلنا دیکھ
سَبزۂ و سَرو کا مچلنا دیکھ
شبنم آلود کر سُخَن کا لِباس،
کچھ دُھندلکے میں بوئے گُل کی مِٹھاس
شاعِری کو کِھلا، ہَوائے سَحَر!
اس کا نغمہ ہے تیری گردن پر
رَقص کی لہر میں ہو گُم لبِ نہر
یوں ادا کر عرُوسِ شعر کا مہر

جذب کر بوستاں کے نقش و نگار

ذہن میں کھول مصر کا بازار

یوں کر اپنی سحر روی کو شروع

ہو پلٹنے میں آفتاب طلوع

آسمانوں سے سرخیوں کا ہبوط

دیکھ کرنوں کے دیدہ زیب خطوط

کس شعاؤں میں ساز دل کے تار

مانگ کندن کے تھال سے جھنکار

مہر کا تخم رنگ بونا دیکھ

افق و آب جو کا سونا دیکھ

دیکھ اَمواجِ شوخ کی تزئین،
جیسے مُنقّش کا رَواں قالین!
آتے جاتے سُن اے ترانہ نواز
دُور سے زاغ و مُرغ کی آواز
دیکھ چڑیوں کی آب جُو پہ اُمنگ
چہچہانے، پُھدکنے، اُڑتے رنگ
کھینچ تخئیل میں نمِ گُلشن!
صُبحِ شب خیز کا سُہانا پن
نرم جھونکوں کا آبِ حیواں پی
بوئے گُل، رنگِ شبنمستاں پی

گُن گُنا کر، نظر اُٹھا کر پی،
صُبح کا شیر ڈَغڈَغا کر پی!
تا کہ مُجرے کو آئیں کُل بَرَکات
دَولتِ جسم و علم و عقل و حیات

یہ نہ طعنہ، نہ یہ اُلہنا ہے
ایک نکتہ بس اور کہنا ہے
غیبتِ نوُر ہو کہ کثرتِ نوُر،
ظُلمتِ تام ہو کہ شُعلۂ طوُر
ایک سا ہے وَبال دونوں کا
تیرگی ہے مآل دونوں کا

درخورِ صاحبِ کمال نہیں،
ہر وہ شے جس میں اعتدال نہیں

شادمانی سے پی نہیں سکتا
جس کو ہوکا ہو جی نہیں سکتا

اے پسر، اے برادر، اے ہمراز
بن نہ اس طرح دُور کی آواز

کوئی بیمار تن نہیں سکتا
خادمِ خلق بن نہیں سکتا

خدمتِ خلق فرض ہے تجھ پر
دورِ ماضی کا قرض ہے تجھ پر

عَصرِ حاضر کے شاعرِ خوددار
قَرض داری کی موت سے ہُشیار!
ذہنِ اِنسانیت اُبھار کے جا
زِندگانی کا قرض اُتار کے جا
تُجھ پہ ہندوستان ناز کرے
عمر تیری "خُدا" دَراز کرے

اُستواری

۱۹۴۸ء

دِین کے در پہ، نہ اِیمان کے دربار میں ہے
خیمہ زَن آج بھی دِل کوچۂ دِلدار میں ہے

آج بھی ہیں وُہی محرابِ طَرَب میں نغمے،
آج بھی گونج وُہی گُنبدِ دَوّار میں ہے

اَب بھی غَلطاں ہے تمنّا میں جوانی کا لہو،
آج بھی جوشِ بہاراں مرے گُلزار میں ہے

سَر پہ کرنیں ہیں، سَرِ بزم دَمکتے مکھڑے
عُمر گِرداب میں، دِل مِصر کے بازار میں ہے

دِین آزُردہ ہے، اور جبیں بہ جبیں دَیر و حَرَم
آمد و رَفت وہی خانۂ خَمّار میں ہے
عُمر گو عقل کے دَربار میں ہے نُکتہ فَروش
زِندگی سَجدہ کُناں حُسن کی سَرکار میں ہے
شُکرِ ایزد کہ بَطِ بادہ و نازِ ساقی!
اب بھی مجھ رِند کے مُرغانِ گرفتار میں ہے
اب بھی دِل شوخیٔ رفتار کا ہے حَلقہ بہ گوش
سَرخوشی آج بھی پازیب کی جھنکار میں ہے
تاک جھانک آج بھی جاری ہے اُسی رَوزن سے
جو مِری عُمر کی گرتی ہوئی دِیوار میں ہے

ہاں یہی جوشؔ کہ ہے جس کا اکابر میں شمار
کوچہ گرد آج بھی شہرِ لب و رخسار میں ہے

کارِ مرداں

۱۹۴۹ء

شگاف جس نے نہ ڈالے ہوں آسمانوں میں
زمیں کا محرمِ اسرار ہو تو کیوں کر ہو!
نہ ہو نگاہ میں جس کی قوامِ شیرینی
حریصِ تلخیٔ گفتار ہو تو کیوں کر ہو
نہ ہو ضمیر میں جس کے مذاقِ آزادی
وہ مرغ، مرغِ گرفتار ہو تو کیوں کر ہو
امینِ منبر و محراب دل نہ ہو جس کا،
رہینِ کوچہ و بازار ہو تو کیوں کر ہو

نہ جس نے دَہر کی تَصوِیر اُلٹ کے دیکھی ہو
وہ شخص نَقش بہ دِیوار ہو تو کیوں کر ہو

نَہ ہو شُبُو رُخ کے کارِ دِگر سے جو واقِف
حَرِیفِ جُبّہ و دَستار ہو تو کیوں کر ہو

مِزاجِ شام و سَحَر سے نَہ ہو جو شخص آگاہ
وہ زُلف و رُخ کا پَرستار ہو تو کیوں کر ہو

مَقامِ صِحَّت کا رِل جِسے نَہیں معلوم
کِسی کے عِشق میں بِیمار ہو تو کیوں کر ہو

سُنی ہی جس نے نہ ہو تشنہ زِندَگی کی پُکار
وُہ نغمہ سَنج و قَدَح خوار ہو تو کیوں کر ہو

جو نامُراد نہ ہو بادشاہِ کِشوَرِ عَقل،
گدائے خانۂ خمّار ہو تو کیوں کر ہو
بَہائے جِنسِ خوشی کی خَبَر نہ ہو جِس کو
مَتاعِ غم کا خریدار ہو تو کیوں کر ہو!
نِہاں ہو جِس کی نظر سے مَسیحیَت کا عُروج
صَلیب کا وہ طَلَب گار ہو تو کیوں کر ہو!
جَزائے خیر کی پَستی پہ ہو نہ جِس کی نِگاہ
حَدیثِ خُلد سے بیزار ہو تو کیوں کر ہو
جِسے نَصیب نہ ہو مَعرِفَت تَجلّی کی،
وُہ تیرہ بَخت سِیَہ کار ہو تو کیوں کر ہو

نَظر میں جِس کی نہَ ہو رازِ مَریمِ عِصمَت،
وہ رُوسِیاہ گُنَہ گار ہو تو کیوں کر ہو
دِل و دِماغ اگر اِقرار کے نہَ ہوں نَقّاد
زَباں کو جُرأَتِ اِنکار ہو تو کیوں کر ہو

مُناجات

۱۹۵۰ء

یہ پچھلا پہر، یہ طلسمی سماں
یہ بجلی کی ضو، یہ اگر کا دھواں
اگر کے دھوئیں میں یہ رقصاں شمیم
مسکتی فضائیں، چٹکتی نسیم
یہ شیشوں سے چھنتی یہ صد دل بری
سیہ تاب ضو، اگری روشنی
سیاہی کے اندر جھلکتے نجوم
جہالت کی چادر میں جیسے علوم

سِمٹتی سی ظُلمَت ، ٹھِٹکتی سی ضَو ،
مَلاحَت کے اَندر صَباحَت کی رَو
سُکُوں میں رَوانی ، صَبا میں اُمنگ
سِیاہی کی چادَر میں گُندلا سا رَنگ
فَضا نیند میں مُسکراتی ہُوئی ،
صَبا فَرش پر رَقص مَساتی ہُوئی
ذِہانت ، طَہارت ، بَشاشَت ، اُمنگ
تَقَدُّس ، تَبَسُّم ، تَرَنُّم ، تَرَنگ
سَموئی فَضائیں نہ ظُلمت ، نہ نُور
نہ آوازِ مَردُم ، نہ بانگِ طیُور

مگر ایک آواز — آوازِ دُور
مرے کان میں آ رہی ہے ضرور
یہ آواز — قرنوں پہ چھائی ہوئی
بُجھی مشعلوں کو جلاتی ہوئی
کلیجے سے دِل کو لگائے ہوئے
دَماغوں سے دامن بچائے ہوئے
گھڑکتی، تھپکتی، لپٹتی ہوئی!
زمانے کے اوراق اُلٹتی ہوئی
رِوَایت کی شمعیں جلائے ہوئے
وَرایت کی مشعل بُجھائے ہوئے [1]

[1] اِس نوعیت کا ایطاء، میرے نزدیک مُباح ہے -

تجلّی، ہدایت کے ہیجان میں،
چلی آرہی ہے مرے کان میں
اِس آواز میں سوز ہے، ساز ہے
میں سمجھا کہ یہ کِس کی آواز ہے
مجھے صبح آواز یوں دے گا کون؟
نہ سمجھوں اگر میں، تو سمجھے گا کون؟
وُہی سوز ہے اور وُہی ساز ہے
یہ میرے بزرگوں کی آواز ہے
خُدارا خموش، اے زمین و زمن
کہ آبائے بندہ ہیں گرمِ سخن!

وہ آباء کہ تھے مُرشدِ مانِ کرام
ذُوالاِکرام و ذُوالقدر و ذُوالاِحتشام
وہ احباب پرور، وہ اَعدا نواز
تواضع شعارانِ گردن فراز
بہ اوجِ سخا اَبرِ گنجینہ بار
بہ موجِ سخن شاعرانِ کبار
وہ شائستہ مردانِ جود و کرم
وہ ذی جاہ اربابِ سیف و قلم
وہ مسند نشینانِ اوجِ وقار
بہ جنگاہ نخوت، بہ بزم انکسار

وہ اربابِ فہمیدۂ جشن و حرب
وہ اصحابِ سنجیدۂ حرف و ضرب
بہ جلوت امیر و بہ خلوت فقیر!
بہ میداں خروش و بہ ایواں صریر
بہ گلخن جلال و بہ گلشن جمال
بہ گرداب خنجر، بہ کشتی ہلال!!
بہ کوئے یلاں رستمِ بے اماں
بہ راہِ ضعیفاں خسِ ناتواں
وہ آبا ہیں اِس وقت گرمِ خروش
کہ اے بستۂ زلفِ الحاد جوش

دو عالم ہیں اِک صَنعَتِ بے عَدِیل
یہ صَنعَت ہے صانِع کی مُحکَم دَلِیل
نَہیں اِس میں جائے چُنان و چُنیں،
کہ اِک نَقش ہے آسمان و زمیں
اَگر صاحبِ فَہم ہے ، غور کر،
کہ ہر نَقش ، حُجَّت ہے نَقّاش پر
مَجازات پیما! حَقِیقَت بھی دیکھ
گِرِفتارِ مَعلُول! عِلَّت بھی دیکھ
حَدَاثَت کے ناظِر، قَدامَت بھی دیکھ
حُدُوث و قِدَم کی قَرابَت بھی دیکھ

عَقیدَت کے ایوان میں گردَن جُھکا

خدائے دو عالَم پر اِیمان لا!

جو شاعِر ہے تو دیکھ آیات کو،

اِن آیاتِ آئینۂ ذات کو

یہ جِتنے بھی تابِندہ آیات ہیں

بہ روئے مَرِیضاں حِجابات ہیں

اور اُن کو جو مہرِ نشانات ہیں

حِجابات جِتنے ہیں، آیات ہیں

یہ سب ایک ہی اَصْل کے ہیں جِہات

حِجابات، آیات، اَسْماء، صِفات

حجابات، آیات، اَسماء، صِفات
حکیموں کے نزدیک ہیں عینِ ذات
جو شاعر ہے تو دیکھ آیات کو،
اِن آیاتِ آئینۂ ذات کو
یہ تابندہ شبنم، یہ رقصندہ آب
یہ گل ریز گلشن، یہ گل گوں سحاب
یہ پہنائی چرخِ نیلوفری
یہ پرِ بستہ خشکی، یہ جولاں تری
یہ شاخوں پہ چڑیوں کی چہکاریاں
یہ فرشِ سماعت پہ گل باریاں

یہ پتّوں پہ بوندوں کی شیریں کھنک
یہ آڑی پھواریں • یہ بانکی دھنک
یہ گوہر فشاں آبشاروں کے ساز
یہ آبِ رواں کا خمِ دل نواز
یہ اعلان و اظہار و کشف و ظہور،
یہ دُرّاج و طاؤس و مُرغ و طیور
یہ ذرّات و انجم، یہ شمس و قمر
یہ دُرہائے تاباں، یہ گُل ہائے تر
یہ راتوں سے دن اور دنوں سے یہ رات
یہ نہروں کی لہروں میں جوئے حیات

خمِ قوس و ضوکاریِ کہکشاں،
قضا و قدر کی یہ انگڑائیاں
یہ جوئے خراماں یہ بوئے ختن
گُل و سُنبُل و نرگس و نسترن!
اُفق پر یہ رنگیں شفق کا ظہور،
نگارِ ازل کے تبسّم کا نور
یہ بیلیں، حقیقت کی زُلفِ دراز
یہ نہریں مشیّت کی اِک موجِ ناز
یہ ذرّوں کی مٹھی میں سو آفتاب
یہ موجوں کے عقدوں میں روحِ سحاب

یہ بوندوں میں غلطیدہ برق و چراغ

یہ بیجوں میں آسودہ و دربستہ باغ

خیابان و بستان و کوہ و کمر،

یہ لؤلؤ و مرجان و لعل و گہر

جو شاعر ہے تو دیکھ اِن آیات کو

اِن آیاتِ مجموعۂ ذات کو

محلِ رکوع و مقامِ سجود!

دلائل سے بالا ہے بامِ وجود

دلائل میں پنہاں ہیں سو عیب جوش،

کہ ایماں ہے، ایمانِ بالغیب جوش

حکیمانہ اجداد کو دوں جواب،
اس اخلاق کی لاؤں کس طرح تاب
بتاؤں وہ کم بیں ہیں، مَیں دوربیں؟
کسی کی ہو، میری یہ ہمت نہیں!
کجا بے ادب، اور کجا راہِ راست
"خطائے بزرگاں گرفتن خطاست"
تو پھر اے خدائے زمین و زمن،
تری سمت پھرتا ہے روئے سخن!
اگر تو حقیقت میں موجود ہے،
مجاز و حقیقت کا مقصود ہے

پُنّا ہے بلندی و پستی توئی؟
ہمہ نیست اند، آنچہ ہستی توئی؟

تو یارب! بپاسِ بزرگانِ دیں،
بلطفِ ہدایت، بحبلِ متیں

برقصِ نسیم و برنگِ چمن
بروئے نگارانِ گل پیرہن!

بنفحاتِ انفاسِ خوبانِ شہر،
بلعلِ نگارینِ ترکانِ دہر!

بابروئے غلماں، برخسارِ حور
بآبِ طہور و بتابِ قصور

بنورِ نعیم و بنارِ جحیم
بارُبابِ خلعت، باہلِ گلیم
بطُغیانِ چنگ و بالُوانِ مُل
بآوائے بُلبُل، بسیمائے گُل،
بنُطقِ سلیس و بطبعِ سلیم
بضربِ مجاہد، بحرفِ حکیم
بپیکر تراشندگانِ وثن!
ببالا بلندانِ طرفِ چمن
بدینِ اماماںِ کیف و شباب
بچینِ بساطِ نگاراں بخواب

بتسبیح و تہلیلِ کرّوبیاں،
بآہنگِ نیکوئے رامش گراں
بحقِ باریٔ اولیائے کرام
بطرّاریٔ حوریانِ خیام
بسوزِ گدایاں، بسازِ شہاں
بعشقِ برہمن، بحسنِ بتاں
بعجزِ مناجاتیانِ کہن!
بکبرِ ازل بستۂ اہرمن!
بصبحِ خوش انوارِ شب زندہ دار
بشب ہائے تاریکِ اختر شمار!

بہ رُخسارِ یوسفؑ، بہ نُطقِ کلیم

بعزمِ خلیل و بہ خُلقِ عظیمؐ

بایمائے حوّائے جادو کلام

باغوائے آدم علیہ السّلام

بعصیانِ پیغمبرِ اوّلیں،

بفتحِ مبینِ "عدوئے مبیں"

بفرمانِ حفظِ خیال و نگاہ

بمیلانِ عُدوان و ذنب و گُناہ

بمعتوبِ خیر و بہ محبوبِ زشت

باندوہِ کعبہ، بجشنِ کنشت

بدردِ جواں مرگیِ ابنِ پیر،
بجور و جفا ہائے عمرِ کبیر
بسوزِ طویلِ دلِ بیوگاں،
باوقاتِ سوزیِ محنت کشاں
بفریادِ عشّاقِ محشر دمید،
بآہِ یتیمانِ مقتولِ عید
باسبابِ درد و غم اندیشگی!
بجبرِ وجوہِ گدا پیشگی،
بعشرت خروشیِ ابنِ امیر
بعصمت فروشیِ دختِ فقیر

بغمِ یادِ شام و بآہِ سحر

بہ بربادیٔ فرصتِ مختصر

بجانِ حدوث و بہ شانِ قدم،

بنورِ مدینہ، بشمعِ حرم

بزلفِ سیاہِ بتانِ مبیں

بموئے سفیدِ بزرگانِ دیں

بترتیبِ مُحبسر و رحِ اُمّ الکتاب

بتاراجیٔ کشورِ بوتراب

بمکر و دغائے ظلوم و جہول

بسوگِ بتول و بمرگِ رسول

بَرَفتارِ صد لشکرِ اشقیا
زِ راهِ سَقیفه سُوئے کربلا!
بدلِ خَستگانِ رفتارِ حیات
بلب تشنگانِ کنارِ فُرات
بپاسِ شهیدانِ بدر و حُنین،
بمرگِ مسیح و بخونِ حسین
خُدایا! بآهِ جگرخستگاں
الٰہی! بسوزِ دلِ شاعراں
نه دَولت، نه قُدرت، نه تاجِ شہی
فَقَط رَوشنی، رَوشنی، روشنی

نہ بندے کو ذی قدر و ذی جاہ کر

بس اک ذاتِ مطلق سے آگاہ کر

نہ اورنگ و افسر، نہ مُہر و عصا

مجھے علم کی بھوک ہے داورا!

"بشب ہا نشستہ دریں دیر، گم

تحیر گرفت آستینم کہ قم"

"دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار

کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار"

الٰہی! مری عقلِ اسرار باز

زمانے سے ہے درپئے کشفِ راز

مری فکر کب سے ہے سرگرمِ کار
لیے اپنی جھولی میں لیل و نہار
نظر میں شریعت کو رکھے ہوئے
طریقت کے اثمار چکھے ہوئے
بساطِ فلک کو سنوارے ہوئے
رباطِ زمیں کو ابھارے ہوئے
زدان و دَ دان سینہ تانے ہوئے
بلندی و پستی کو چھانے ہوئے
خرافات کی دھار موڑے ہوئے
ہزاروں طلسموں کو توڑے ہوئے

حکایاتِ پیشیں کو بانچے ہوئے

اَساطیر کا خوں جانچے ہوئے

حقائق کے موتی نکالے ہوئے

ہزاروں سَمَندر کھنگالے ہوئے

ہزاروں پہاڑوں پہ کَوندے ہوئے

کروروں سِتاروں کو رَوندے ہوئے

بَقا و فَنا کو جھنجوڑے ہوئے

مَہ و سال کا رَس نچوڑے ہوئے

جہالَت کی آنکھیں نکالے ہوئے

مَظاہر کو جیبوں میں ڈالے ہوئے

غَوامِض کے عُقدوں کو کھولے ہُوئے
مِژَہ پر دو عالَم کو تولے ہُوئے
مگر اے خُداوند و رَبِّ جَلیل
مِلی مجھ کو اب تک نہ ایسی دَلیل
کہ ہو جس سے آئینہ رازِ صِفات
کہ ثابِت ہو جس سے تری پاک ذات
مِلے بلکہ مُجھ کو، خطا ہو مُعاف
ہزاروں بَراہیں، تیرے خِلاف
جو پَرکھا تو "رزّاق" و "رَبّ" و "جَلیل"
یہ سب نام ہی نام ہیں بے دَلیل

وہ رُحمت وہ لَیلائے کُرسی نَشیں،

پتا اُس کا دُنیا میں چلتا نہیں

رَبابِ اُلوہیّتِ حق فروش!

بگردوں خروشاں، بگیتی خموش

فسُردہ، تپیدہ، بِرشتہ، غمیں!

کوئی تیرے بندوں سے بڑھ کر نہیں

کوئی خاک پر، شہ نشیں پر کوئی

کوئی آسماں پر، زمیں پر کوئی

جو گیتی پہ ہے وہ بھی زار و نزار

جو گردوں پہ ہے وُہ بھی حسرت

نہ اُونچوں کو راحت، نہ نیچوں کو چین
یہاں بھی ہے ماتم، وَہاں بھی ہے بَین
مُحَرَّم کی تمہید ہے صُبحِ عید
بہ ہر لحظہ صد کربلا و یزید
ہر اک پھُول گنجینۂ صد شرار
ہر اک برگ، صد خنجرِ آبدار
جو دِل ہے، وُہ سینے کا ناسُور ہے
جو زِندہ ہے، مرنے پہ مامُور ہے
سزائیں پَر افشاں، جفائیں مُحیط
بلائیں مُسَلَّط، وبائیں مُحیط!

نہنگِ عفونت بہ دریائے مشک

بموجِ تبسّم ہزاراں سرشک

ہر اِک جشن کو بزمِ غم کی تلاش

دُف و نے میں غلطاں دِلوں کی خراش

بہر خندہ، طوفانِ آہ و فغاں

بہر جام، غلطیدہ خونِ مغاں

لڑکپن کا دُنبالہ، رِیش و برُوت

جوانی کے پیچھے بڑھاپے کا بھوت

بڑھاپے کی خاطر کو دیوِ اجل

اَجل، سرد، بے باک، سفّاک، اٹل

اور اِس پر بھی سُنتا ہوں میں یہ پُکار
کہ تو ہے خُداوندِ رحمت شعار
یہ کہتے ہیں دانا و عادِل ہے تو
حَکیمِ فرح بخش و باذِل ہے تو
رَحیم و رَفیق و رؤف و لَبیب
بَرحمت قَرِیب و بَدعوت مُجیب
اگر میں غلط کار ہوں اور قبیح،
اگر ہیں یہ رحمت کے دعوے صحیح
تو ہٹتا نہیں کیوں مرے دِل کا بار
عطا مجھ کو ہوتا نہیں کیوں قرار

فقیروں سے نظریں مِلاتا نہیں،
خُدا ہے تو پھر کیوں خود آتا نہیں

اگر باپ ہے تو، مرے ذوالجلال
تو بیٹے کے دِل کو نہ کر پائمال!

جو ہو ذہنِ فرزندِ کُند و عَلیل
تو فرضِ پدر کیا ہے ربِّ جلیل؟

نہ ہرگز غذا و دَوا دے اُسے؟
"خطائے" مَرض کی سزا دے اُسے؟

اگر عقل بندے کی ہے مُضمحِل،
تو میری طَرف سے نہ کر سخت دِل

مجھے اے نگہ دارِ چاک و رفو
تری جستجو ہے، تری آرزو
جہاں دینِ اجداد ہے خیمہ زن
مری فکر کا وہ نہیں اب وطن
مری عقل کب تک رہے ناصبور
یہ مولد سے محروم مسکن سے دور
تری مرحمت کی ہے اُمید وار،
الٰہی یہ عقلِ غریب الدّیار
دکھا راہِ تمکیں خدایا مجھے،
نہ ٹھکرا، نہ ٹھکرا، نہ ٹھکرا مجھے

صبوری کا اَب دِل کو یارا نہیں،
مِرا اور کوئی سہارا نہیں!
نبوّت کی شمعیں ہیں یارَب خموش،
رِسالَت کی محَراب ہے بے خَروش
وہ فِکر و نَظَر کے اِشارے نہیں،
تجلّی کے اب وُہ مَنارے نہیں
رَہے شہر کے عالِمانِ کِرام،
اُنھیں دُور سے، دُور ہی سے سَلام
نہ باتوں میں نرمی، نہ لہجے میں پیار
نہ خُلقِ محمّد کے آئینہ دار

نہ حُسنِ ہدایت ، نہ حُسنِ کلام،
نہ دِل میں تحمُّل نہ مُنہ میں لگام
بمَکتَب جَہوُل و بہ مَسجِد ظَلوُم
بمُحراب صَرصَر، بمَنبَر سَموُم
بتَحرِیر و تَقرِیر، ضَربِ شَدِید
نہ عِلمِ قَدِیم و نہ عِلمِ جدِید
فقط حَج و صَوم و صَلوٰۃ واَذاں
اَذان و جِدال و جِدال و آذاں
جِدال و آذاں سے نَحِیف و نَزار
ترے دَر پر آیا ہوں پَروَرِدگار

اگر تو ہے دراصل مُطلَق حَکیم،
تو پھر اسے خُدائے سَمیع و عَلیم
دَماغ، آبرُو پائے، یُوں دِل میں آ،
حَکیموں کے مانَند مَحفِل میں آ!
جہالَت کی تارِیکیوں سے نِکَل
اگر چَشمۂ عِلم ہے تو اُبَل،
اُبَل، گونجتا، گُن گُناتا اُبَل
تَفکُّر کے دَریا بہاتا اُبَل
تَعقُّل کی رَخشِندَگی میں اُبَل
دَلائِل کی تابِندَگی میں اُبَل

خِرَدْ رِشتہ و عَقلْ پیوَندِ اُبَل،
رِیاضی صَداقت کے مانَندِ اُبَل
بَہُت ہو چکا طَورِ مَنقُول پر!!
نُمایاں ہو اَب طَورِ مَعقُول پر!
بلَورِیں رَہا مُدّتوں عَرش پر،
اَب آ، ٹھوس بَن کر ذَرا فَرش پر
نہ تُل دَیرِ ظُلمَت کے گُلدان میں
اَب آ سُرخ کِرنوں کی مِیزان میں
دِکھا دے گا یہ وَزن اَفلاک کا،
قَدَم رَکھ، یہ کانٹا ہے اِدراک کا!

چُھڑا ڈال ماتھے سے شمس و قمر!
رصدگاہِ دانش میں ہو جلوہ گر!
اگر تو ہے کُندن تو ڈوب اور اُچھل
فِراست کی بھٹّی سے تپ کر نِکل
کہ تا نعرہ زن ہو سکوں برملا
کہ جُھک جاؤ اے مُنکرانِ خُدا
نہ جاؤ اُدھر، کُفر ہے جو ئے زہر،
ٹھہر جاؤ اے تیرہ بختانِ دہر
پھر آدم کے بچّوں کو یک جا کروں
تعصُّب کو دُنیا سے چلتا کروں!

عَداوَت مِٹا کر محبّت بڑھاؤں،
محبّت ، اُخوّت ، شَرافَت سِکھاؤں
تمام آدمی شَکّر و شِیر ہوں
کُنِشت و کَلیسا بَغَل گیر ہوں
اگر یہ حقیقت ہے پَروَردِگار
کہ نِیَّت پہ اَعمال کا ہے مَدار
تو اے جانِ حَق میری نِیَّت کو دیکھ
مرے وَلوَلوں کی طَہارَت کو دیکھ
مرے اِشتیاقِ تَجَسُّس کو دیکھ
تَجَسُّس ، تاَمُّل ، تَفَکُّر کو دیکھ

مرے ذوقِ کشفِ حَقیقَت کو دیکھ
مری کاوِشوں کی صَداقَت کو دیکھ
تُجھے سَب سے بہتر یہ معلوُم ہے
کہ فِدوِی بَرایں فِسق مَعصوُم ہے
اگر مجُھ میں ذَوقِ تَعَبُّد نہیں،
تَجَسُّس ہے مولیٰ، تَمَرُّد نہیں
میں آئینہ اَندیش واَنوار ہیں،
حَقیقَت ہے یارب، تَعَلّی نہیں
مرے سِینۂ پاک میں مُتَّصِل
دَھڑکتا ہے مَولیٰ رِسالَت کا دِل

مُجھے عِلم دے تاکہ گُم ہو ملال ،
مگر ہاں بطرزِ دِگر ــــ ذوالجلال
مرے سر پر افسوں کی صورت نہ چھا
خطرناک وادی سے ہرگز نہ آ !
صحیفے بغل میں دبا کر نہ آ ،
تفلسف کی شمعیں بُجھا کر نہ آ !
رِوایت سے دِل کی نہ تسخیر کر
دِرایت کے منبر سے تقریر کر
رِوایت کا سلسلہ سِتارہ نہ ٹانک
دِرایت کے سنگین غُرفے سے جھانک

عقیدت سے پہچان سکتا نہیں
روایات سے مان سکتا نہیں
عقیدت، فریبِ خیال و حواس
روایت، فروغِ ظنون و قیاس
گدازِ دل و جوشِ رقت فریب
بصیرت، عقیدت، مودّت فریب
تعبّد، تملّق، تاسّف غلط،
تضرّع، تورّع، تقشّف غلط
جنوں، جذب، وجدان، ذوقِ سخن
سراسر فسوں کاریِ اہرمن

"اَزل کا تبسّم"، "اَبد کا جمال"
فریبِ روایات، وہم و خیال
"اَدا سنجیٔ حُسنِ ذات و صفات"
ہمہ ذوقِ جنسی، ہمہ جسمیات
حریمِ خدائی میں ہوں پاک باز
کہاں میں، کہاں ننگِ راز و نیاز
نہ مجھ سے طلب کر سجود و رکوع
فرازِ خرد سے ہو یا رب طلوع
نہ وا کر درِ ناز و بابِ جمال
نہ دمکا ستارے، نہ چمکا ہلال

نہ لیلیٰ کے مانند محمل میں آ
نہ عشق و جوانی کی منزل میں آ
جسے عشق کہتے ہیں تلبیس ہے،
یہ مردانِ اوباش کی ریس ہے
یہ وہ لفظ ہے بے وقار و لعیں
جو قرآں میں اک بار آیا نہیں
رسالت نے اس کو کیا ناپسند
مشیت نے اس کو کیا ناپسند
ترا "عشق" اور "ولولوں کا اُبھار"!
یہ فحّاشیٔ ذہن ہے کردگار!

ترے "وصل" کا شوق ربِّ غفور
ادب کے منافی، شرافت سے دور
بھگوتی ہے اشکوں سے جو آستیں،
وہ "خواہش" کی چٹکی ہے، عفّت نہیں
یہ جذبہ تو چہکا ہے بارِ خدا
ہوس کاریوں کے تپاں خون کا
جبھی تو نہ روتا، نہ مرتا ہوں میں
ادب سے یہ درخواست کرتا ہوں میں
اگر تو ہے دراصل ربِّ غیور
تو خوش وضع و سنجیدہ ہو گا ضرور

جو یہ ہے تو راہِ متانت سے آ
مرے روبرو بابِ حکمت سے آ

جو تو داورِ اوہامِ انساں نہیں
تو اے "تہمتِ وہم"، بن جا یقیں!

یقیں ہے تو گم کیوں ہے گرداب میں
جھلک، قصرِ دانش کی محراب میں

یقیں بن کے جب تک نہ آئے گا تو
تو اے وہمِ دیرینۂ اہلِ ہو

رہِ "کفر" کی خاک چھانے گا جوشؔ،
نہ مانا ہے تجھ کو نہ مانے گا جوشؔ

"ہُوں"

۱۹۴۶ء

جب کہ بچے خواب کے ہنگام تھے گرمِ خروش
باپ کی صرف ایک "ہُوں" نے کر دیا سب کو خموش
"ہُوں" بزرگِ خانداں کی آہنی دیوار ہے،
ہر فساد اور غُلغُلے کو ایک "ہُوں" درکار ہے
سنتے ہیں انسان کا ہے باپ ربِّ کائنات،
اس لئے اے دوست تجھ سے پوچھتا ہوں ایک بات
جب ہلاکو نے بہائی تھیں لہو کی ندیاں،
کوئی "ہُوں" اُس وقت کیا گونجی تھی زیرِ آسماں؟

تحفتہً آئے تھے جب مقتول انسانوں کے سر

پھٹ پڑی تھی کیا کوئی "ہوں" خیمۂ چنگیز پر؟

شعلہ ہائے حکمِ نیرو جب کہ تھے بھڑکے ہوئے؟

ڈانٹ کی کوئی صدا آئی تھی بامِ عرش سے؟

لے اُڑا تھا جب کہ راون ایک دیوتا کا گھر؟

کوئی "ہوں"، گرجی تھی کیا اُس وقت اوجِ چرخ پر؟

جب بہا تھا کربلا کی خاک پر دریائے خوں

دہر پہ نازل ہوئی تھی کوئی ہیبت ناک "ہوں"؟

کر رہا تھا زہر جب سقراط کے دل پر اثر،

عرش سے اُتری تھی کوئی "ہوں" بساطِ فرش پر؟

عیسیٰ مریم کو جب کھینچا گیا تھا دار پر،
ہو گئی تھی کیا کسی "ہوں" سے زمیں زیر و زبر؟
آئی تم نے رکھ دیا تھا بھون کر جب ایک شہر
قلزمِ تنبیہ میں آئی تھی کیا اُس وقت لہر
بستیاں غلطیدہ تھیں جب خون کے گرداب میں
کوئی "ہوں" گر جی تھی کیا بنگالہ و پنجاب میں
جب ہوئے تھے آخری اوتار گاندھی جی ہلاک
آئی تھی اُس وقت کیا کوئی صدائے ہولناک؟
اتنی چپ سادھے ہوئے ہے کس لئے عرشِ بریں
کیوں ہمارا آسمانی باپ "ہوں" کرتا نہیں

کھوکھلے دعوے

۱۹۴۶ء

قرنوں کے شان دار یہ دعوے کہ زندگی
اک مہرِ لایزال سے پاتی ہے روشنی

جوئے علوم و چشمۂ حکمت ہے زندگی
انصاف و عدل و رافت و رحمت ہے زندگی

ہر اک شکم ہے رزق کا وعدہ لئے ہوئے
ہر وعدہ ہے فراغتِ ایفا لئے ہوئے

دنیا نہیں، بہشت ہے، دارالسلام ہے
اک رحمتِ تمام ہے، اک فیضِ عام ہے

تقدیر کا غلط ہے کہ، ہیٹا ہے آدمی

قدرت شفیق باپ ہے، بیٹا ہے آدمی

ارض و سما کا راج دُلارا ہے آدمی

رزّاقیت کی آنکھ کا تارا ہے آدمی

ایک آبشارِ جود ہے، اِک سیلِ مرحمت

شبنم کی طرح نرم ہے قلبِ ربوبیت

پل بھر بھی، چشمِ دہر میں ہوتی ہے جب کھٹک

دِل میں زِندگی کا دھڑکتا ہے دیر تک

بھرتی ہے آہِ سرد جو لیلائے زندگی

ہوتا ہے چاک سینۂ دارائے زندگی

انسانیت کا درد ہے قدرت لیے ہوئے

شاعر کا عشق، ماں کی محبت لیے ہوئے

عشرت کی دھوم دھام ہے مستی کی ریل پیل

ہستی کا کاروبار ہے اک مشفقانہ کھیل

پیرِ مغاں کے فیض سے چھلکے ہوئے ہیں جام

ذرّوں کے دِل میں ثبت ہیں خورشید کے خیام

اَلمختصر تمام یہ دعوے کہ آسماں

روندی ہوئی زمیں پر ازل سے ہی مہرباں

دِن کو خروش، رات کو محبوب چہچہے،

اَلمختصر تمام یہ دعوے، یہ غلغلے

بے قدر و بے وجاہت و بے اعتبار ہیں

انساں کی انجمن میں بہت شرمسار ہیں

جھٹلا دیا ہے اِن کو غمِ کائنات نے

اِن سب کے مُنہ پہ تھوک دیا ہے حیات نے

نہ پوچھ

سنہ ۱۹۴۷ء

کیوں سرزمینِ ہند کی حالت پہ ہم نشیں
اَب تک وُہی ہے مرحمتِ آسماں نہ پوچھ

وہ آفتاب، ڈُوب رہا ہے جو غرب میں
کیوں کر ہے اَب بھی شرق پر آتش فشاں نہ پوچھ

لڑتی ہُوئی ہواؤں کی تیزی کے سامنے
چھٹتی ہُوئی گھٹاؤں کی انگڑائیاں نہ پوچھ

سایہ ہو وطن کی صُبح پہ، غُربت کی شام کا
کِس اَوجِ بے دلی سے ہے ظُلمت چکاں نہ پوچھ

اِس تابناک حُکمِ رِہائی کے باوُجود،

بے نُور، کیوں ہے چہرۂ زندانیاں نہ پوچھ

کیوں ہر چراغ پر ہیں سیاہی کی یُورِشیں

کیوں ہر یقین پر ہے مُسَلَّط گُماں نہ پُوچھ

اِس داغِ دِل پہ غور کر، اِن آنسوؤں کو دیکھ

کیوں کر مِلا ہے گوہرِ ہندوستاں نہ پُوچھ

جو تَشنگی نارِ جہنّم سے ہو دوچار،

اُس سے حَدیثِ کوثر و حرفِ جِناں نہ پُوچھ

صُبحِ اَزَل سے قبل کی شاید یہ بات ہے

کب سے کڑک رہی ہے سَروں پر کماں نہ پُوچھ

ہر سانس موجِ فتنہ ہے، ہر سینہ طبلِ جنگ
کیوں کر مِلی ہے دولتِ امن و اماں نہ پوچھ!
کس کی یہ شہ تھی، کس کا اشارہ تھا، کس کی چال
کیوں بہ گئی ہیں خون کی یہ ندّیاں نہ پوچھ
لاشوں پہ جو نشاں ہیں، فقط اُن کو دیکھ لے
اور یہ کہ ہیں یہ کس کے تبر کے نشاں نہ پوچھ
قبروں پہ جا کے دیکھ ذرا جگنوؤں کا رقص
گھر کتنے بے چراغ ہیں؟ یہ داستاں نہ پوچھ!
غمخوار، سینہ زوریِ ناقوسیاں، نہ سُن،
ہمراز، چیرہ دستیِ اہلِ اذاں نہ پوچھ

اپنے لہو میں تیر کے اُبھرا ہو جو غریب،
اُس سے فراغِ ساحلِ جوئے رواں نہ پوچھ

شہروں کی اِن بھری ہوئی گلیوں کے درمیاں
کِس طور سے در آئی ہیں ویرانیاں نہ پوچھ

کِتنے صنم کدوں کے کھنڈر ہیں نگاہ میں
کیوں بُجھ گئی ہے آتشِ روئے بُتاں نہ پوچھ

تھی جِن کے دم قدم سے تری میکدے کی شان
کِس دیس میں وہ رِند ہیں پیرِ مُغاں نہ پوچھ

بڑھنے کا ولولہ، نہ ٹھہرنے کا حوصلہ،
کِس منزلِ عجیب میں ہے کارواں نہ پوچھ

نسرین و لالہ و گُل و شمشاد، ہائے ہائے،

میں کیوں اُداس اُداس ہوں؟ ای باغباں نہ پوچھ

آزادیٔ وطن کے چراغاں کے روبرو

کس طرح اُٹھ رہا ہے دِلوں سے دُھواں نہ پوچھ

سینے پہ جن کے داغ ہوں اور سر پہ تاجِ گُل

اُس قوم کا تصوّرِ سود و زیاں نہ پوچھ

اے جوشِ لالہ پرور و پیغمبرِ بہار،

کیا کہہ گئی ہے کان میں بادِ خزاں نہ پوچھ!

مسجودِ آسماں

چومنے میری جبیں کو آستاں آتا ہے جوش
اس زمیں کو سجدہ کرنے آسماں آتا ہے جوش

وہ ہے میرا کعبۂ رندی، جہاں وقتِ غروب
روز حج کرنے گروہِ قدسیاں آتا ہے جوش

میرے دل کے آستاں پر کاسہ ہائے گل لیے
آرزوئے رنگ و بو میں گلستاں آتا ہے جوش

میری نازِ طبع کی انگڑائیوں کو دیکھنے
حسنِ قوس و عشوۂ ابرِ رواں آتا ہے جوش

میرے اوجِ شاعری کے چھٹ پٹے کی دید کو

آسمانوں سے جمالِ کہکشاں آتا ہے جوش

میں ہوں وہ پروانۂ فانوس گیر و شمع صید

جس پہ گرنے شعلۂ حُسنِ جواں آتا ہے جوش

وہ برہمن ہوں کہ جس کے گوشۂ دستار پر

ٹوٹ کر خود طرۂ زلفِ بتاں آتا ہے جوش

ہر ملیحِ دہر جھکتا ہے پئے آب و نمک

ہر صبیحِ شہر بہرِ آب و ناں آتا ہے جوش

میں وہ قسامِ جوانی ہوں کہ جس کی راہ میں

حُسنِ خوباں کارواں در کارواں آتا ہے جوش

میرے ساغر زادِ مے خواروں کی خدمت کے لئے
مُغبچوں سے پیشتر پیرِ مُغاں آتا ہے جوش!
میرے قصرِ شاعری میں گُن گُنانے کے لیے
اِنس و جاں کیا ہیں، خُدائے اِنس و جاں آتا ہے جوش
میرے دریائے تخیُّل سے روانی مانگنے
بحرِ وقت و چشمۂ عُمرِ رواں آتا ہے جوش

ہمّت

۱۹۴۶ء

حضُورِ اہلِ ہمّت آبرُو کھونا نہیں آتا،
غمِ ہستی پہ ہنسنے کے سِوا، رونا نہیں آتا
ہمیشہ جاگتا رہتا ہوں محنت کی چٹانوں پر
تنِ آسانی کے بستر پر مجھے سونا نہیں آتا
زیاں کی سرزمیں سے سُود کی چشمے اُبلتے ہیں،
جو پا لیتا ہے یہ نکتہ اُسے کھونا نہیں آتا
اُبلتی آتشِ سیّال میں ہر شب نہاتا ہوں
مجھے وقتِ سحر مُنہ ڈھانپ کر رونا نہیں آتا

آسودگی کی یاد!

۱۹۴۸ء

دوشِ صبا پر آئی ہے آسودگی کی یاد!
بیتے دِنوں کے خیمۂ رامش گری کی یاد

آئی ہے کانپتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں
ڈوبے ہوئے نجوم کی تابندگی کی یاد

رقصاں تھے جِس کی تان میں نوخیز ولولے
اب ہچکیوں میں غرق ہے اُس بانسری کی یاد

کم فرصتی میں آئی ہے فرصت لِئے ہوئے
وہ فرصتِ شباب کی کم فرصتی کی یاد

زُلفوں میں مُنھ چھُپائے درِ دِل پہ دیر سے
دستک سِی دے رہی ہے کسی خلوتی کی یاد

خود اپنی سَرد لاش لِئے اَپنے دَوش پر
آئی ہے کوئی حُسن کی آوارگی کی یاد

کِس حد کی جاں گُداز ہے، کِس دَرجہ ہَولناک
جو وَقت کے مزار میں ہو اُس خوشِی کی یاد

آئی ہے تیرِ دَرد کو جوڑے کمان میں
اِک بوستانِ خواب کے سَروِ سہی کی یاد

آغوش میں کسی کے جو گُزری تھی اِک گھڑی
گِریاں ہے سر جُھکائے ہُوئے اُس گھڑی کی یاد

جھُکتے ہوئے نجوم کے پٹ کھول کھول کر !

رہ رہ کے دل کو چھیڑ رہی ہے کسی کی یاد

جس طرح سر پہ رات کو چمکے برہنہ تیغ

تاریکیوں میں آئی ہے یوں چاندنی کی یاد

ماضی کے تیرہ کنج میں جس کا مزار ہو،

اے جوش، دل کی موت ہے، اُس زندگی کی یاد

ترانۂ آزادیِ وطن

اگست ۱۹۴۷ء

(پہلی آواز)

بڑھو کہ رقص و رنگ ہے، اُٹھو کہ نو بہار ہے

(۱)

وطن کے روئے پاک پر ہے آب و رنگِ سروری
قلندروں کے جام میں ہے بادۂ تونگری
سمندروں کی راگنی، ہمالیہ کی شاعری
ہجوم در ہجوم ہے، قطار در قطار ہے

بڑھو کہ رقص و رنگ ہے، اُٹھو کہ نو بہار ہے

(۲)

نشانِ صولتِ وطن مچل رہا ہے چرخ پر
دمک رہے ہیں بام و در، جھلک رہے ہیں بحر و بر
چہک رہی ہے زندگی، چھلک رہا ہے جامِ زر
چلیں نہ رند کس لئے طرب میں سینہ تان کر،
کہ آج طُرفہ جیت کا گلے میں تازہ ہار ہے

بڑھو کہ رقص و رنگ ہے، اُٹھو کہ نو بہار ہے

(۳)

فلک پہ اوجِ کہکشاں، زمیں پہ موجِ گنگ ہے

تنِ عروسِ ہند پر عبائے شوخ و تنگ ہے

فسونِ عود و چنگ ہے، جنونِ آب و رنگ ہے

ترانہ ہے، ترنگ ہے، ابھار ہے، امنگ ہے

ہوائے شاخسار میں، نوائے آبشار ہے

بڑھو، کہ رقص و رنگ ہے، اٹھو، کہ نو بہار ہے

(۴)

سُنا رہی ہے زِندگی سُرور کی کہانیاں
دَواں ہیں کامرانیاں، رَواں ہیں شادمانیاں!
بَرس رَہی ہیں آسماں سے، طُرفہ دِل سِتانیاں
اُبل رہی ہیں خاک سے شِگفتہ نوجوانیاں
رَوِش رَوِش نِکھار ہے، چَمَن چَمَن پھُوار ہے

بَڑھو، کہ رَقص و رَنگ ہے، اُٹھو، کہ تو بَہار ہے

(۵)

حَیات اُٹھی ہے جھُومتی، گلابیاں لِئے ہُوئے

اَدائے تازہ و دِل بَری کا کارواں لِئے ہُوئے

جَبیں پہ نَرم کاکلوں کا بوستاں لِئے ہُوئے

سِیاہیوں کے سِلسِلے میں سُرخیاں لِئے ہُوئے

فَروغِ روئے یار ہے کہ صُبحِ کوہسار ہے

بَڑھو، کہ رَقص و رَنگ ہے، اُٹھو، کہ نَو بَہار ہے

(۶)

حَیاتِ نو کے زمزمے ہیں کوئے مَی فروش میں
حَواس میں زَمین ہے، نہ آسمان ہوش میں
ترنگ ہے شَباب پر، اُمنگ ہے خروش میں
چلے بھی جامِ زرفشاں کہ باغِ ناؤنوش میں
ہزار ہے، چنار ہے، مَلار ہے، سِتار ہے

بڑھو، کہ رقص و رنگ ہے، اُٹھو، کہ نو بہار ہے

(۷)

جنوں فروش مغ بچے! سرور کا پیام دے

کنشت کے نگار دے، بہشت کے خیام دے

کہاں ہے پیرِ مے کدہ؟ جوانیوں کے جام دے

بتانِ سبزہ رنگ دے، شرابِ لالہ فام دے

کہ ناز ہے، نعیم ہے، نسیم ہے، نکھار ہے

بڑھو، کہ رقص و رنگ ہے، اٹھو، کہ نوبہار ہے

(۸)

چھک رہی ہیں بُلبُلیں، لچک رہی ہیں ڈالیاں

تھرک رہی ہیں فرشِ گُل پہ شوخ حُسن والیاں

نواگروں کی تال پر بجا رہی ہیں تالیاں

کھنک رہی ہیں چوڑیاں، جھمک رہی ہیں بالیاں

ہر اِک کمر کے لوچ میں کمان ہے، کٹار ہے

بڑھو، کہ رقص و رنگ ہے، اُٹھو، کہ نو بہار ہے

(دوسری آواز)

(۱)

یہ بیونت اور یہ کتر، یہ کاٹ چھانٹ، ابتری
شناوروں کی ڈبکیاں، بہادروں کی تھرتھری
یہ کوہکن کی بندگی، یہ پیرزن کی داوری،
قلندروں کے روپ میں یہ روسیاہ قیصری
شگفتہ برگِ تازہ میں نہفتہ نوکِ خار ہے

خزاں کہیں گے پھر کسے، اگر یہی بہار ہے

(۲)

یہ مُفلسوں کی گُم رہی، یہ مُنعموں کی رہ زنی،
فراز کے یہ قہقہے، نشیب کی یہ جاں کنی
یہ بے دلی، یہ بے رُخی، یہ برہمی، یہ بدظنی
رمیدگی و شُعلگی، کشیدگی و دُشمنی،
غُبارِ حرب و ضرب ہے، خروشِ گیرودار ہے

خزاں کہیں گے پھر کسے، اگر یہی بہار ہے

(۳)

جنون و جبر و جنگ ہے، جہاد و جور و قہر ہے
جدال گاؤں گاؤں ہے، قتال شہر شہر ہے
سیاہیوں کی موج ہے، تباہیوں کی لہر ہے
ہوا میں جوئے مرگ ہے، فضا میں بوئے زہر ہے
کماں میں تیرِ شہنہ ہے، کمیں میں شہریار ہے

خزاں کہیں گے پھر کسے، اگر یہی بہار ہے

(۴)

اِدھر مَہا مَہنت ہیں، اُدھر کبیر اِمام ہیں،
یہ تَنگیوں میں پُختہ ہیں، وسعتوں میں خام ہیں
مَہاجنوں کے جال ہیں، رِیاستوں کو دام ہیں
"عَوام" کا شُمار کیا، عَوام تو عَوام ہیں
مَویشیوں میں آج تک عَوام کا شُمار ہے

خَزاں کہیں لگے پھر کیسے، اگر یہی بَہار ہے

(۵)

یہ لُٹسیں، یہ رِشوتیں، یہ "پگڑیاں" یہ چوریاں،
یہ شرمناک چوریاں، اور اُس پہ سینہ زوریاں
سبک گراں فروشیاں، ذلیل نفع خوریاں،
اِدھر خلا ہے پیٹ میں، اُدھر بھری ہیں بوریاں
اُدھر گل و نسیم ہے، اِدھر سموم و خار ہے

خزاں کہیں گے پھر کسے، اگر یہی بہار ہے

(تیسری آواز)

(۱)

مَیاں یہ وَقتِ جَشن ہے مُباحِثے سے فائدہ؟
مَحلِّ رَقص و وَجد ہے کہ راستہ تو پا لیا
فَضا سے اَبر چھٹ گیا، ہَوا کا رُخ بَدل گیا
جو دِل میں ہے حُسینیت تو کیا بَلا ہے کَربَلا!
وہ کَل بَنے گا بوستاں جو آج خار زار ہے

بَہار پھر بَہار ہے، بَہار پھر بَہار ہے

(۴)

بھٹک کے جو بچھڑ گئے ہیں، راستے پر آئیں گے

لپک کے ایک دوسرے کو پھر گلے لگائیں گے

ہم دِگر حریف تھے، یہ بات بھول جائیں گے

ہنسیں گے، مسکرائیں گے کھلیں گے، گنگنائیں گے

یہ آرزوئے دہر ہے، یہ حکمِ روزگار ہے

بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

(۳)

اُٹھو، دریچہ کھُل گیا، وہ منزلِ فراز کا!
وہ غزنوی کے طاق میں دِیا جلا ایاز کا!
سِرا مِلا وُہ عُقدہ ہائے گیسوئے دراز کا
چمن پہ رنگ چھا گیا، وہ چشمِ نیم باز کا!
رقیب کم نصیب ہے، حبیب کامگار ہے

بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

(۴)

اُٹھو، سرِ نشیب کو غرورِ کوہسار دیں
سموم کو فسردگی، صبا کو نغمہ زار دیں
جمودِ سنگ و خشت کو سرشتِ جوئبار دیں
غنودہ برگِ زرد کو مزاجِ ذوالفقار دیں
بڑھو، کہ وہ کھلا ہوا درِ کشودکار ہے،

بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

(۵)

جو زِندہ ہیں تو اِس زمیں کو آسماں بنائیں گے

اَجل کو قصرِ زِندگی کا پاسباں بنائیں گے

خود آندھیوں کو طاقِ شمعِ زرفشاں بنائیں گے

بجائے شاخ، برق پر خود آشیاں بنائیں گے

کہ دوشِ برق و باد پر بہشتِ لالہ زار ہے

بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

(۶)

اَرے بَتاؤ کون ہے یہ زِندَگی کا نَغْمَہ خواں
یہ کِس کی زِندَہ گُونج سے لَرز رَہا ہے آسماں
یہ کِس کا حَرْفِ گَرْم ہے سِتارہ بار و مَہ چکاں
اَرے یہ کون بھر رَہا ہے وَلوَلوں میں بِجلیاں
یہ شاعرِ حَیات ہے یہ جوشِؔ بادہ خوار ہے

بَہار پھِر بَہار ہے، بَہار پھِر بَہار ہے

اِستقلالِ میکدہ

ستمبر ۱۹۴۷ء

(بہ سلسلۂ آزادیٔ ہند)

(۱)

وقت ہوں، ہاں وقت، اے پیغمبرِ تیغ و ہلال
اے رجز خوانِ جلال و اے غزل خوانِ جمال
زیست کی پلکیں جھپکتی ہیں مرے انداز پر
کاروانِ دہر چلتا ہے مری آواز پر
گردشوں کا شاہ، صبح و شام کا سرخیل ہوں
جنبشوں کا کارواں، آوارگی کا سیل ہوں

سُن کہ اب مُڑتے ہُوئے طوفاں کے دھارے اور ہیں

اَب مرے چاند اور ہیں، میرے ستارے اور ہیں

اَب مری رَو اور ہے، اَب میرے جادے اور ہیں

اَب مرا عزم اور ہے، میرے ارادے اور ہیں

جا رہا ہوں آستانِ شہ سے پیماں توڑ کر،

کارواں آیا ہے اَب میرا انوکھے موڑ پر!

اِس ترے مے خانۂ رنگیں میں اے جادو بیاں

رہ نہیں سکتا ہے انگلستان اب پیرِ مغاں

سر اُٹھا، سینے کو تان اے شاعرِ صہبا گُسار

لے یہ تیرے مے کدے کی ہے کلیدِ زرنگار

(۲)

گوشِ گُل سے، آسماں تک، نالۂ بلبل گیا
مے کدے کا قفلِ زرّیں تو وہ چٹ سے کھل گیا

(۳)

(اندرونِ مے کدہ)

ہائیں یہ کیا، اِبتلا، اَفسُردگی، آوارگی،
بے نوائی، بے قراری، بے دلی بے چارگی
پر فشاں تھی جس میں روحِ بادہ وہ رطلِ گراں
خاک کے تودوں کے نیچے لے رہا ہے ہچکیاں

بام و در پر آب و روغن ہے نہ قندیلوں میں نور
مسندِ زر، تار تار و جامِ رنگیں چور چور
یہ گھٹن، یہ بو، یہ تاریکی، یہ سیلن، یہ جمود
ایک پتھر سا ہوا کے دوش پر، عنبر، نہ عود
مسندِ زریں پہ ساغر ہے، نہ مینا میں شراب
نقش بر دیوار رابط، دم بخود چنگ و رباب
دور تک گونجا ہوا ہے کشتہ شمعوں کا دھواں
مغبچوں کے جسم پر ہیں پارہ پارہ زردیاں!
مے کدہ، اور مے کدے کے سائے میں یہ بھوک پیاس
خشک ہونٹوں پر فغاں، نم ناک آنکھوں میں ہراس

مخملی پردوں پہ لاتعداد چھُریوں کے شگاف

خُم کے گرد و پیش مکڑی کا یہ بے پروا طواف

آنسوؤں سے ہر سبُو کی آنکھ ہے چھلکی ہوئی

گردنِ مینا ہے بارِ کرب سے ڈھلکی ہوئی

اَلسّلام اے مے کشو، جن کا کوئی ساقی نہیں

جن کے ساغر میں سرابی موج بھی باقی نہیں

اَلسّلام اے حلقۂ فردوس کے اصحابِ نار

جن کی جنّت کے شبستانوں پہ ہے دوزخ کا بار

بارگاہِ عید کے اے روزہ دارو! السّلام

خشک مے خانے کی پیاسے بادہ خوارو، السّلام

(۹۸)

(ارباب مے کدہ کا ردِ عمل)

آ گئے ؟ کیا آ گئے ؟ ہاں آ گئے، تم دوستو!

ہاں اٹھو، اے میکدے کے ساتھیو، جلدی اٹھو

آہ، جوڑوں میں لچکنے کا ذرا بھی دم نہیں!

تم مگر در آئے مے خانے میں اب کچھ غم نہیں!

لڑکھڑاتے ہیں قدم، لطف و کرم سے کام لو،

دوستو، دم چڑھ رہا ہے، بڑھ کے بازو تھام لو

آنے والے دوستوں کے خیر مقدم کو بڑھو،

مے کدے کے نوجوانو، خوش دلی سے کام لو

تنگ رہے ہو کس لیے بوڑھوں کا منہ اہلِ شباب

ہاں اُٹھاؤ ساغرِ جاں آفریں، چھیڑو رباب!

(۵)

کیا کہا بابا، یہاں اور ساغرِ جاں آفریں!

یوں لُٹا ہے مے کدہ، مٹّی کے بھی برتن نہیں

اور کیسے چھیڑیں؟ ربابِ مُردہ میں دم خم کہاں

اب وہ اگلا سا ہماری بزم کا عالم کہاں

(۶)

(مے کدے میں آنے والوں کا جواب)

کچھ نہیں پروا، نئے پیمانے ڈھالے جائیں گے

ایک کیا، سو جشن کے پہلو نکالے جائیں گے

ڈَغ ڈَغا کر اب پئیں گے ہم شرابِ گُل فشاں

گائیں گے، ناچیں گے، جھومیں گے، زمین و آسماں

چاک ہو، ہاں چاک ہو پردہ اندھیری رات کے

ناخنِ خورشید، عقدے کھول دے ذرات کے

غرفۂ گردوں سے جھانکو سرخوشی کے مطربو،

سینۂ گیتی سے اُبلو مستیوں کے زمزمو

بلبلوں کے چہچہو، چھا جاؤ صوتِ زاغ پر

ابر کے آوارہ ٹکڑو، ہل کے برسو باغ پر!

کوثر و گنگا کے دھارو، ایک ہو، مل کر بہو،
موت کے غُل کو نگل لو زِندگی کے چہچہو،
چاک ہو یوں جھوٹ کے پردو کہ رو دیں فِتنہ ساز
اپنی گرہیں کھول دے تاریخ کی زُلفِ دراز
سخت جاں اِفلاس، چھا جا نیم جاں اِملاک پر
اے زمینِ سرد، بڑھ کر ہات ڈال افلاک پر
ہاں تجلّی کے منارے بن کے اُبھرو پستیو!
بولتے شہروں میں ہو تبدیل گونگی بستیو!
اے جواں ہمّت ادیبو، خُفتہ عزموں کو جگاؤ
اے تجلّی کے پیمبر شاعرو، شمعیں جلاؤ!

جگمگاؤ اے کتابو، ضوفشاں افکار سے
مکتبو، گونجو علومِ تازہ کی جھنکار سے!

اے فضا گُل پیرہن ہو، اے صبا، اٹھلا کے چل
اے زمیں، انگڑائی لے، اے آسماں کروٹ بدل

حکم دے سرمایہ داری کو دکھائے اب نہ بھاؤ
صنعتو، محنت کشوں کے آستاں پر سر جھکاؤ

خاک کو گرماؤ، کہساروں پہ نیزے گاڑ کر
سرخ کرنو، مسکراؤ بادلوں کو پھاڑ کر!

آگ کے دھارو، بہو، لوہے کے پہیّو، گنگناؤ
ہاں مشینو، گھڑگھڑاؤ، بجلیو، جنبش میں آؤ!

مُسکرا تخریب پر، تخریب روتی ہے یونہیں
دُھوپ سے لڑ، ابر کی تعمیر ہوتی ہے یونہیں!
ہاں تن آسانی کی ڈائن کو پٹک دے اے وطن
دُھوپ پر اپنے پسینے کو چھڑک دے اے وطن!
اوس پڑ جائے گی، خونی دُھوپ سنولا جائے گی
جب چلے گا جھوم کر، ساون کی رُت آ جائے گی

ہندو مسلم کا متحدہ نعرہ[1]

ستمبر ۱۹۴۷ء

(بہ سلسلۂ فساد)

اے ناظرِ تباہی و نقادِ گیرودار
ہاں اِس طرف بھی ایک نظر بہرِ کردگار
ہم ظلم کے ہیں شاہ، شقاوت کے تاجدار
انسان ہے تو ڈال ہمارے گلے میں ہار

ابلیسیت کا ــــ مرد ہے تو ــــ احترام کر،
ہم ہیں غلامِ نادر و نیرو ــــ سلام کر!

[1] جو نظمیں غضب کی انتہائی شدت میں کہی جاتی ہیں۔ وہ سب ایسی ہی ہوتی ہیں۔

(۲)

اے شخص، ہم کو قہر سے کیا دیکھتا ہے تو،
ہاں، ہم ہیں جو ریشیٔہ و خوں خوارِ زشت خو،
یہ دیکھ کہنیوں سے ٹپکتا ہوا لہو،
بیٹوں کے سر اُڑائے ہیں باپوں کے روبرو

گرجے ہیں گیسوؤں کی گھٹاؤں کے سامنے
بچّوں کو بھون ڈالا ہے ماؤں کے سامنے

(۳)

کِس کِس مزے سے ہم نے اُچھالی ہیں عورتیں
سانچے میں بے حیائی کے ڈھالی ہیں عورتیں
شہوت کی بھٹّیوں میں اُبالی ہیں عورتیں
گھر سے برہنہ کر کے نِکالی ہیں عورتیں

یہ بھی مزے کِیئے ہیں ہوس پروری کے بعد
پھاڑا ہے شرمگاہوں کو عصمت دری کے بعد

(۴)

چُن چُن کے ہم نے کھائے ہیں کتنے ہی نوجواں
بچّوں کے جسم میں بھی دَر آئی ہے یہ سِناں،
بوڑھوں کو بھی مِلی ہے نہ اس گرزسے اماں
گُل چہرہ عورتوں کی بھی کاٹی ہیں چھاتیاں

دو کر دیا ہے چیر کے ہم نے، یقین کر،
بچّوں کو اُن کی ماؤں کی گودی سے چھین کر!

(۵)

کیا کیا کنواریوں کو چِنا یا ہے دُھوم سے
کیا کیا نہ امردوں کو رُلا یا ہے دُھوم سے
بہنوں پہ بھائیوں کو کُدایا ہے دُھوم سے
باپوں کو بیٹیوں پہ چڑھایا ہے دُھوم سے

جب بھی زِنا کیا ہے، تو قُرباں اِس آن پر،
زَوجہ کے سَر کو رکھا ہے شَوہر کی ران پر!

(۶)

بوجہل کی شراب سے چھلکا کے جام کو
بٹّہ لگا دِیا ہے مُحَمَّد کے نام کو
بخشا ہے تاج راونِ دوزخ مقام کو
ذِلّت کی گھاٹیوں میں گِرایا ہے رام کو

حق کا جِگر ہے خون ، تو دِل چاک چاک ہے
قُرآن پر ہے دُھول ، تو گیتا پہ خاک ہے

(۷)

ہاں، ہم دَنی ہیں، شوم ہیں، آشُفتہ کار ہیں
لوفر ہیں، بَدمَعاش ہیں، بے اِعتبار ہیں
شُہدے ہیں، بے حَیا ہیں، لَفَنگے ہیں، خوار ہیں
پاجی ہیں، بدگُہر ہیں، دَنی ہیں، چمار ہیں

جِس میں ذَرا بھی خیر ہو، تُف ایسے کام پر،
ہم تھوکتے نہیں ہیں شرافت کے نام پر

(۸)

ہاں، بوستانِ خیر کے مالی نہیں ہیں ہم
پل بھر بھی شر کے ذوق سے خالی نہیں ہیں ہم
جس میں ہو کچھ بھی لوچ وہ ڈالی نہیں ہیں ہم
ہم کو یہ فخر ہے کہ حلالی نہیں ہیں ہم

ہم وہ حیا پرست، وہ غیرت پسند ہیں
بہنوں ہی پر ہیں بند، نہ ماؤں پہ بند ہیں

(۹)

ہم اَور مُلک و قَوم کے سردار، کیا کہا
ہَم اَور قَصرِ حِلم کے مِعمار، کیا کہَا
ہَم اَور جِنسِ حَق کے خریدار، کیا کہا
ہَم اور حُرّیت کے سَزاوار، کیا کہا

عالِم سے کُچھ غَرَض ہے، نہ عالمی سے کام ہے
بابا، ہَمیں تو صِرف غُلامی سے کام ہے

(۱۰)

مجبوریوں کو تج کے خریدیں گے اختیار؟
پائیں گے دین بیچ کے دُنیا کا اقتدار؟
دَیر و حَرم کو چھوڑ کے مانندِ اہلِ نار،
ایمان پروری کا اُٹھائیں گے سر پہ بار؟

سر اپنے لیں گے قوم کی اِس ہائے ہائے کو؟
اور چھوڑ دیں گے اونٹ کو، تج دیں گے گائے کو؟

(۱۱)

جب تک کہ دم میں دم ہے چلائیں گے ہم سناں
گھنٹہ اِدھر بجے گا تو ہوگی اُدھر اذاں
رکھیں گی مُلک و قوم کو بے امن و بے اماں
یہ چوٹیاں سروں کی، یہ چہروں کی داڑھیاں

قابو میں یہ فساد کا بھتنگی نہ آئے گا!
جس وقت تک پلٹ کے فرنگی نہ آئے گا!

حملۂ محبّت

سنہ ۱۹۴۶ء

پھر سے ہر شئے ہمہ تن راز ہوئی جاتی ہے
زندگی، دور کی آواز ہوئی جاتی ہے

پھر وُہی طبع، جسے ذوقِ حرم بخشا تھا
دَیر معمار و صنم ساز ہوئی جاتی ہے

وائے تقدیر، پھر انجام کی انجم باری
اشک افشانیٔ آغاز ہوئی جاتی ہے

حیف صد حیف کہ پھر صوتِ نیازِ حکمت
جرسِ قافلۂ ناز ہوئی جاتی ہے

پھر وُہی عقل ہُوئی تھی جو مُریدِ سُقراط،
پَیروِ حافظِ شیراز ہُوئی جاتی ہے
لَیلیٔ فِکر کی تمکینِ گراں قدر اے جوشؔ
حیف، پھِر مائلِ پَرواز ہُوئی جاتی ہے

بازگشت

۱۹۴۶ء

نازسے گُلشن میں پھر سنکی ہوائے مُشک بُو

عشق پھر رقصاں ہُوا، پھر گُن گُنائی آرزو

نصب گیتی پر ہُوا پھر خیمۂ بادِ مُراد!

درج گردوں پر ہوئی پھر آیۂ لا تقنطوا!

عشرتوں کے گیت ہیں دجلہ بدجلہ، یم بیم

مستیوں کی گونج ہے، گلشن بگلشن، کو، بکو

گیسوئے مشکیں میں گوندھے نکہتِ شامِ اودھ

پھر مری خلوت میں در آیا وہ تُرکِ ماہ رُو

نغمہ ریز و رنگ بیز و دُر چکان و گُل فشاں ،

مہ رُخ و سیمیں تن و اختر جبین و خوش گلو

دوش پر گیسو ، نظر پائے حنا آلود پر ،

نرگسِ مستانہ میں غلطیدہ بانگِ اشربو

مُطرِبہ کے مُنھ پہ جیسے راگنی کی روشنی

بام و در پر یوں پر افشاں پرتوِ روئے نکو

دِل میں طوفانِ ہم آغوشی ، نظر میں اجتناب

لب پہ مُہرِ خامشی ، آنکھوں میں سیلِ گفتگو

انجمن میں شعلہ دل ، آغوش میں شبنم مزاج

جانچیے تو شیشۂ فطرت ، دیکھیے تو سنگ خو

گیسوئے عنبر فشاں یا شامِ بالائے چمن
چہرۂ گُل بار یا صُبحِ کنارِ آب جُو
لُطف سے روندے تو کانٹوں کو بنادے نسترن
ناز سے مسلے تو پھولوں میں بڑھائے رنگ و بو
زُلف میں گوندھے تو بن جائیں ستارے ماہ تاب
ہات پر رکھ لے تو خس کی رگ میں دوڑا دے لہو
اے نگارِ عشق پرور، مرحبا صد مرحبا
جوشؔ پر اور یہ کرم، اَللہ ہو اَللہ ہو

وُرُودِ جاناں

۱۹۴۷ء

بحمد اللہ کہ وُہ عشرت کا ساماں لے کے پھر آیا
بہاراں بن کے پھر پلٹا، گلستاں لے کے پھر آیا

مرے خلوت کدے کی وقت آزُردہ خموشی میں
نشید و نغمہ و آہنگ و الحاں لے کے پھر آیا

رگِ ہستی میں تھا دورانِ مے جس کے تبسّم سے
رُخِ گلگوں میں وُہ صبحِ فروزاں لے کے پھر آیا

مری ہستی کو ساز و برگِ مستی دے کے پھر چھکا
مری تاریکیوں میں آبِ حیواں لے کے پھر آیا

مِرے صحرائے پژمُردہ میں بادل بَن کے پھر جھُوما
مِرے دریائے خوابیدہ میں طوُفاں لے کے پھر آیا
شَبِ اَختر شُماری کی سَرِشک آلوُدہ ظُلمت میں
سِتارے جِس پہ قُرباں ہوں وُہ افشاں لے کے پھر آیا
تَبَسُّم کی گلُابی چاندنی مُکھڑے پہ چھِٹکائے،
تَرَنُّم کا فسُونِ کیف ساماں لے کے پھر آیا
مَتاعِ برُدہ، رہزن پر نہ تھی گو قَرض، اُس پر بھی
مَتاعِ بُردۂ عہدِ گُل افشاں لے کے پھر آیا
نِظامِ مُحکمِ تقدِیر کی تصدِیق فرمادِی
وُجُودِ حَضرتِ بارِی پہ بُرہاں لے کے پھر آیا

مزے کی ساتھ دستک دی پھر انگشتِ حنائی سے

سرودِ باب و لحنِ سقف و ایواں لے کے پھر آیا

خمِ گم کردۂ ابروئے بُرّاں لے کے پھر پلٹا

شبِ مسروقۂ زلفِ پریشاں لے کے پھر آیا

لبوں میں نسترن کی پھر سُبک مہکیں لیے دہکا

جلو میں چودھویں کا ماہِ تاباں لے کے پھر آیا

مری بچھڑی ہوئی ساون کی تانیں دے کے پھر لہکا

مرا روٹھا ہوا ابرِ خراماں لے کے پھر آیا

جبیں پر قشقۂ افسردۂ جنت کو دہکائے

ہتیلی پر حنا پروردۂ بستاں لے کے پھر آیا

نَفَس کی رَو میں تجدیدِ کَرَم کے پھُول مہکائے
نظر میں تابشِ اِیفائے پیماں لے کے پھِر آیا!
فسُوں کارِی کے نغمے، لعلِ مے پَروَر میں چونکائے
سیہ مستی کی راتیں زیرِ مژگاں لے کے پھِر آیا
پشیماں تھا نہ جانے کب سے ذوقِ چاک دامانی
مِرا دستِ جنُوں، میرا گریباں لے کے پھِر آیا
مچلنا، کسمساتا، کشتیوں کی طرح لہراتا
جواں انگڑائیوں کا دردِ پنہاں لے کے پھِر آیا
شراب آنکھوں میں، سُرخی لَب پہ، رنگینی تبسُّم میں
مِرے افسانۂ پیشیں کا عنواں لے کے پھِر آیا

نَقاب اُلٹے قَبا کے بَند کھولے ، بال بِکھرائے
جُنوں کا حُکم، سَرشاری کا فَرماں لے کے پھِر آیا
جَراحَت بھی مُجھے مَطلوب تھی ای جوشِ مَرہم بھی
مُبارَک ہو وہ جِنسِ درد و دَرماں لے کے پھِر آیا

وداعِ جاناں

۱۹۴۶ء

وقتِ رخصت کیا کہوں، کیا کیا وہ مہماں لے گیا

ایک عالم کو جلو میں، پابہ جولاں لے گیا!

چشمِ مست و لعلِ شیریں و رخِ گل گوں کے ساتھ

سازِ الواں لے گیا، سوزِ چراغاں لے گیا

موجِ ناز و موجِ ساز و موجِ مے کے ساتھ ساتھ

جوئے دُر افشاں و بوئے سنبلستاں لے گیا

سو گئی قندیلِ در، سُن ہو گیا پائے ستوں،

حسنِ مسقف و بام، نازِ طاق دایواں لے گیا

سرخوشی کی موج سے دُر ہائے تاباں چن لیے

زندگی کے اَوج سے ابرِ بہاراں لے گیا

حُسن سے محرُوم کر کے دیدۂ نم ناک کو،

عشق کی محراب سے شمعِ فروزاں لے گیا

عین پچھلی رات کو وُہ کار فرمائے سحر،

شامِ ظلمت دے گیا، صُبحِ درخشاں لے گیا

رات تھی جس کے خُنک انوار سے تاروں بھری

اپنے ماتھے کی وُہ گوہر بار افشاں لے گیا

جس تمنّا میں گرج تھی، گُونج تھی، جھنکار تھی

اُس تمنّا سے خروش و جوش و طوفاں لے گیا

نازسے مُنہ موڑ کر، باہر سے چلمن چھوڑ کر،
رات کی ظُلمت سے مَوجِ آبِ حیواں لے گیا
عوُد کی لَپٹیں سُلا کر، شَمعْ سے ضَو چھین کر،
رَقصِ خوش بوُ لے گیا، رَنگِ شبِستاں لے گیا
کھول کر بابِ تبسّم، باندھ کر بندِ قبا
میرا دامَن لے گیا، میرا گریباں لے گیا
زِندَگی کی روشنی کو، راگنی کو، رقص کو
ساتھ اپنے کھینچتا اُفتاں وخیزاں لے گیا
جَذب فرما کر سلامِ رُخصَتی کے لوچ میں
جَذبۂ رَقصان وہیجانِ غَزل خواں لے گیا!

نرگسِ گُل رنگ کے ڈوروں میں بھر کر ناز سے
سُرخیٔ مے ہی نہیں، خونِ رگِ جاں لے گیا
خم بخم گیسو کی شامِ فصلِ گُل کی چھاؤں میں
نیم بازآنکھوں کی صبحِ شبستاں لے گیا
ولولوں کی تو بہ تو قوسیں، اُمنگوں کے ہلال
توڑ کر زیرِ خمِ تسلیم پیرّاں لے گیا!
سُرخیٔ مینا اُڑا کر، انکھڑیوں میں کھینچ لی
لرزشِ صہبا چُرا کر، زیرِ مژگاں لے گیا
صرف گیتی ہی کے ساز و برگ پر کیا منحصر
میرے گردوں سے بھی جنسِ لعل و مرجاں لے گیا

کھینچ کر دوشِ فضا سے رَونَد ڈالی چاندنی
نوچ کر عقدِ ثُریّا دُشمنِ جاں لے گیا
جَیب میں بھر کر ستارے، مُنھ پہ مَل کر کہکشاں
باندھ کر جوڑے میں نورِ ماہِ تاباں لے گیا
جلتے جاتے اُف کچھ ایسی مَدبھری انگڑائی لی
ایک طوفاں دے گیا، اور ایک طوفاں لے گیا
سَر پہ چادر، پاؤں میں لغزش، نفَس میں احتیاط
خود کو مانندِ چراغِ زیرِ داماں لے گیا!
جوشؔ کس سے جا کے یہ کہئے کہ اک سروِ رواں،
لوٹ کر میرا گلستاں کا گلستاں لے گیا

جمال و جلال

۱۹۴۸ء

(۱)

کیوں اک طرف ہی کھنچتے ہو دوستانِ نَو،
اِک وضع پر نہیں ہے مرے ولولوں کی رَو
کعبے کا نور ہوں تو کبھی بُت کدے کی ضَو،
گرتی ہے گاہ برق، نکلتی ہے گاہ لَو!

دریا ہوں، اِک مقام پہ رہتا نہیں ہوں میں
اِک خطِ مستقیم پہ بہتا نہیں ہوں میں

(۲)

بہنا مری متاع ہے، بہنا مرا مفاد،
وہ خطۂ جمود ہو، یا عرصۂ جہاد،
وہ راہِ برگ و بار ہو، یا کوئی برقِ باد
بہنا مری حیات ہے، بہنا مری مراد

پیہم مسافرت ہی میں رہنے سے کام ہے
دن ہو کہ رات، نہر کو بہنے سے کام ہے

(۳)

رَقصِندہ آرزُو ہُوں، مچلتی ہُوئی اُمنگ،
بہکی سی چال ہُوں، تو بَدلتا ہُوا سا رَنگ
میری رَوانیاں ہیں کہ طُغیانِ مَوجِ گنگ،
غَلطاں ہیں مُجھ میں گو ہرِ وخاشاک ولَعل وسَنگ

بَہتا ہُوں بحرِ زِیست کے، دَھارے لِئے ہُوئے
قطرات کی گِرَہ ہیں شَرارے لِئے ہُوئے

(۴)

وُہ نغمہ ہُوں کہ جس کی نہیں کوئی ایک لَے،
وُہ نالہ ہُوں کہ ہو نہیں سکتا جو وَقفِ نَے،
دِل میں نہاں ہے دَہر کی ہر سرد و گرم شَے
تریاق و زہر و زمزم و زہر آب و قند و مَے،

شاعِر کا دِل، فقیر بنے اور لکیر کا!
سنگم ہُوں رود ہائے حدید و حریر کا!

(۵)

وابستہ، گاہ "خوب" سے ہوں، گاہ "زِشت" سے
دوزخ سے رَبط، گاہ تعلُّق بہشت سے
کعبے سے اُنس، گاہ عقیدت کِنِشت سے
گوہر سے کھیلتا ہوں، کبھی سنگ و خشت سے

خاک و خزف بھی جیب میں ہیں، مہر و ماہ بھی،
رندِ ہزار پیشہ گدا بھی ہے، شاہ بھی

(٦)

دِل میں ہے رہ زنی کا، کبھی رہبری کا رنگ
سر میں کبھی خودی کا، کبھی بے خودی کا رنگ
کِرنوں کا رنگ ہے، تو کبھی چاندنی کا رنگ
عاشق کا رُوپ ہے، تو کبھی فلسفی کا رنگ

یہ شاعری ہے، عرش کی بازی گری نہیں
یعنی خدا نہ خواستہ، پیغمبری نہیں

(۷)

ہمّت شکن نشیب، نہ صبر آزما فراز،

عُقدے گِرہ کُشا، تو حوادِث ہیں کارساز

اَفشا ہے میرے ذہن پہ دار و رَسَن کا راز

وُہ قامتِ بلند ہے، یہ گیسوئے دراز!

دار و رَسَن کے نام سے اور میں رَمیدہ ہوں!

ناگن سے کیا ڈروں گا کہ کاکُل گزیدہ ہوں

(۸)

پتّھر کو توڑتی ہے مِری ضربتِ سبو،
ناخن سے میرے عقدۂ مشکل ہے زرد رو
ہر چاک بخشتا ہے مجھے دولتِ رفو!
خود اپنے خونِ گرم سے کرتا ہوں شست و شو

گم ہوں تجلّیات میں یوں کائنات کی!
جوئے اجل بھی موج ہے آبِ حیات کی

(۹)

ہر شے نظر فروز ہے میری نگاہ میں،
منزل کا گل کدہ ہے جو کانٹا ہے راہ میں،
دُر ہائے تاجِ مصر ہیں میری کُلاہ میں،
ہر چند غوطہ زن ہوں مصائب کے چاہ میں،

ہوں چاہ میں بھی آبِ مُسرّت پیئے ہوئے
پانی ہے بوئے دامنِ یوسف لیئے ہوئے

(۱۰)

بد ہیئتی ہے حُسنِ مجسّم مرے لیے،
زنجیرِ غم ہے گیسوئے پُرخم مرے لیے،
شمشیرِ ماہ و سال ہے مرہم مرے لیے
گھن وقت کا ہے قطرۂ شبنم مرے لیے،

پٹڑی جمی ہے یوں دِلِ آشفتہ کار کی!
رُکتی ہے سانس ابلقِ لیل و نہار کی!

(۱۱)

اُنچاسویں بَرَس میں ہے گو عُمر کا قَدَم،

دِل میں وُہی تَڑپ ہے، وُہی وَلولوں میں رَم

ہر سوز میں ہے سازِ جَوانی کا زیر و بَم،

آتی ہے آسماں سے یہ آواز دَم بہ دَم

دَبنے نہ دے گُمان سے ہرگز یَقین کو!

اُٹھ، قُوّت و حیات سے بھر دے زمین کو

(۱۲)

میں فطرۃً ہوں بندۂ اصنامِ آذری،
اور، خیبر سے ہے، پیشۂ آباء سپہ گری،
اس وجہ سے ہے عشق میں بھی شانِ صفدری
پہلو میں میرے دیو، تو زانو پہ ہے پری،

نظریں جمالِ یار پہ، سر خشت و سنگ پر
اک ہات ہے رباب پر، اک طبلِ جنگ پر

(۱۴)

اہلِ وطن کے دردسے آنکھیں ہیں اشک بار

آلودہ سرِشک ہے صہبائے زرنگار،

صبحیں سیاہ پوش، تو شامیں ہیں سوگوار

اکثر خوشی کے وقت بھی روتا ہوں زار زار

نصرت غریب کو ہوئی بس جنون ہے،

ہر چند اِن رگوں میں امیروں کا خون ہے

(۱۴)

یہ کون پڑھ رہا ہے مری بزم میں دُرُود؟
یہ کیا کہ میری ذات میں اے عالمِ شہود؟
اِنسانیت ہے خونِ اِمارت کے باوجود،
"مارا ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نہ بود"

ہاں دُشمنِ قوی و رفیقِ ضعیف ہوں،
خود اپنی نسل، اپنے لہو کا حریف ہوں!

(۱۵)

کرتا ہوں چاک دامنِ شاہانِ تُند خُو!
اور یوں کہ تا اَبَد نہ کبھی ہو سکے رُفو!
میری رَسَن ہے اور سلاطین کا گلو
غلطاں ہے میرے جام میں جمشید کا لہو

رہتا ہوں مست، بادۂ گُل گوں پیے ہُوئے
دوشِ سُخن پہ سُرخ پھریرا لیے ہُوئے

(۱۶)

یہ عُمرِ انحطاط ، یہ طُغیانِ مکر و جنگ،

یہ سیلِ بے دریغ ، یہ طوفانِ بے درنگ

یہ جوئے خوں کہ دنگ ہو جس سے خروشِ گنگ

پھر بھی برس رہا ہے مرے دل پر آب و رنگ،

جن کو مہک ہے زلفِ بتاں سے ملی ہوئی ،

سینے میں آج بھی ہیں وہ کلیاں کھلی ہوئی !

(۱۷)

دشتِ سیاسیات میں آتش چکاں بھی ہوں

کوئے جمالیات میں گوہر فشاں بھی ہوں!

گل برگ و شاخسار بھی، تیغ و سناں بھی ہوں

ہاں منکرِ خدا بھی، مطیعِ بتاں بھی ہوں

کب صبح و شام راہ سے ہٹتا نہیں ہوں میں

پر مرکزِ جمال سے، ہٹتا نہیں ہوں میں!

(۱۸)

مَردوں کی طرح دیر سے ہوں گرمِ گیرودار
آتش فشان و برق چکان و شرارہ بار
لیکن دُرونِ معرکۂ سخت و اُستوار
اِک ہات میں خزاں ہے، تو اِک ہات میں بہار

آوازِ طبلِ جنگ کی رَو میں غنا بھی ہے
کچھ خون ہی نہیں ہے، جِلو میں حنا بھی ہے

(۱۹)

گو دِل ہے اور دَورِ غبُوری کا خَلفشار،
سِینہ ہے پاش پاش، تو دامَن ہے تار تار
ہر شام زَخمِ دَشنَہ ہے، ہر صُبح نوکِ خار
پھر بھی نیاز و ناز کا جاری ہے کاروبار

کھچڑی ہیں بال، پھر بھی وُہی شُغلِ خام ہے
سینے میں زُلف و رُخ کی وُہی صُبح و شام ہے

(۳۰)

اے زُلفِ مشک پرور و اے روئے ماہ بار

اے شامِ نجمِ عشوہ و اے صبحِ مہر کار،

اے رقصِ جو، سرودِ صبا، لحنِ آبشار

"گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار"

"لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا"

مانا کہ رہنِ گرمیٔ محفل نہیں رہا!

(۲۱)

خَلوَت میں بھی ہوں گرمیٔ محفل لیے ہوئے
ہراک قدم میں دولتِ منزل لیے ہوئے
حد ہے کہ ہوں دماغ میں بھی دِل لیے ہوئے
مَقتَل میں بھی ہوں پردۂ محمل لیے ہوئے

ہنگامۂ وغا میں بھی دم ٹوٹتا نہیں!
حبلِ متینِ زُلفِ رسا چھوٹتا نہیں!!

(۲۴)

کامِ و دَہن کو قُرب ہے گو جامِ زَہر سے
بُو آرہی ہے مَوت کی اَنفاسِ دَہر سے
ٹکّر ہے دیوِ جبر سے، طاغوتِ قہر سے
غافِل نہیں ہوں پھر بھی نِگارانِ شَہر سے

نغموں کی دُھن ہے دَہر کی اِس کائیں کائیں میں
پھولوں کو چُن رہا ہوں ببولوں کی چھاؤں میں

بادِ بہاری

۱۹۴۷ء

وہ سنکی نازسے بادِ بہاری
وہ مستی کے ہوئے فرمان جاری
وہ چھلکی مُغ بچوں کی مُسکراہٹ
وہ چمکے اخترانِ مے گُساری
وہ جھوما رایتِ فرِّ کیانی
وہ لہرایا نشانِ تاجداری
اُٹھیں وہ روئے خوباں سے نقابیں
کھلے وہ غمزہ ہائے طرحداری

وہ چہکے طایرانِ شاخِ مستی،
وہ لہکے سبزہ ہائے بادہ خواری
وہ چٹکا غنچۂ بستانِ رندی،
وہ ٹوٹا شیشۂ پرہیزگاری
وہ گونجے نغمہ ہائے عندلیباں
وہ آئی شاہدِ گل کی سواری
وہ بھڑکا شعلۂ رخسارِ اصنام،
وہ دمکا شمسۂ ایوانِ باری
کھلی زلفِ درازِ مہ جبیناں
ہلی زنجیرِ بابِ عشوہ کاری

بحمد اللہ کہ جوشِ بے نوا کو،
عطا کی بوئے گُل نے شہریاری

ڈوپٹے کو مَسلے، بدَن کو چُرائے

سنہ ۱۹۳۸ء

(۱)

کلیجے میں وُہ گھاؤ ہیں غم کی لَے سے،
ابھی تک نہیں جو بَھرے موجِ مَے سے
اُٹھائے ہیں دِل نے سِتم کیسے کیسے،
مرے وَقتِ رُخصت وُہ آئیں تھیں جیسی،
خُدایا، عدُو بھی نہ اِس طرح آئے

ڈوپٹے کو مَسلے، بدَن کو چُرائے

(۲)

جِن آنکھوں کے پردوں میں طوفاں بپا تھا

جِن آنکھوں میں طُغیانِ خوف و حیا تھا،

جِن آنکھوں میں سیلابِ آہ و بُکا تھا،

جِن آنکھوں میں دِل کروٹیں لے رہا تھا،

اُن آنکھوں پہ مِژگاں کی چِلمن گِرائے

ڈوپٹے کو مسلے، بدن کو چُرائے

(۳)

نِگاہوں میں یہ بد دُعائیں برابر،
کہ کٹ جائیں وقتِ پر افشاں کے شہ پر
دُھواں ریل کا، اور زُلفِ مُعنبر
کبھی مجھ پر، اور گاہ نظریں گھڑی پر
کلیجے سے قُربت کے لمحے لگائے،

ڈوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

(۴)

یہ لَب پر دُعا خوفِ اربابِ شَر سے

کہ مَعبُود، حسرت نہ ٹپکے نَظر سے

تمنّا کا بادَل نہ گرجے نہ بَرسے

لہ عَزِیزوں کی جاسوُس نظروں کے ڈَر سے

خُود اپنی جوانی سے آنکھیں چُرائے

ڈوپٹے کو مَسلے، بَدن کو چُرائے

لہ یہ لفظ قرابَت داروں کے معنی میں اِس قدر عام ہوچکا ہے کہ اَب اس سے اِحتراز دُشوار ہے۔ صِرف یہی نہیں، خوردوں کو "عزیزی" لکھا جاتا ہے، اور اَب اسے بھی تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

(۵)

تحمّل سے آنکھیں جھکانےلے کی کوشش
مجھے دردِ دل سے بچانے کی کوشش،
عزیزوں سے بھی غم چھپانے کی کوشش
فغاں کو تبسّم بنانے کی کوشش
حنا سے کوئی زخم جیسے چھپائے

ڈوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

لے اِس نوع کے ایطاء معیوب نہیں۔

(۶)

پسینے کے قطروں سے آزردہ آبرو،
نفس — کوئی جیسے بدلتا ہو پہلو
وہ لہجہ — کہ جیسے ٹپکتے ہوں آنسو!
سرِ دوشِ سیمیں، پراگندہ گیسو
کوئی جیسے کاندھے پہ میّت اٹھائے

دوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

(۷)

نَظر مُنتشر، جِسم تر، رَنگ مَدّھم
زَباں خُشک، رُخسار نَم، زُلف بَرہم
تَغیُّر سَراپا، تَحَیُّر مُجسّم
سَراسِیمگی میں وہ چہرے کا عالَم
کہ سوتوں کو جِس طَرح طوفاں جگائے

ڈوپٹے کو مَسلے، بَدن کو چُرائے

(۸)

تب و تابِ چہرے پہ لانے کی کوشش

اَلَم کو مسرّت جتانے کی کوشش،

اُداسی کو فرحت دِکھانے کی کوشش،

تبسّم سے آہیں دَبانے کی کوشش،

کوئی جیسے آندھی میں دیپک جلائے

ڈوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

(۹)

بِلَکتی فَضائیں، سِسَکتی ہَوائیں،
فُغاں کا دُھواں، آنسوؤں کی گھٹائیں
تھکے عَزْبَدے، سَرِ بَہ زانو اَدائیں
کَن اَنکھیوں سے آتی ہوئی یہ صَدائیں
"چلے جاؤ گے بے گلے سے لگائے؟"

ڈُوپَٹّے کو مَسلے، بَدن کو چُرائے

(۱۰)

”جب اِتنا ہی دُنیا سے ڈَرنا تھا تُم کو۔“

”پِھر عشق سے پار اُترنا تھا تُم کو۔“

”جو گِردابِ دِل سے اُبھرنا تھا تُم کو“

”جو مجُھ سے کنارہ ہی کرنا تھا تُم کو۔“

”مجُھے موجِ دریا سے کیوں کھینچ لائے“

ڈوپٹے کو مَسلے، بَدن کو چُرائے!

(١١)

بستم آشنا رشتہ داروں کی زد پر،

سُبک سرقدامت شعاروں کی زد پر

مراسم کے تحویل داروں کی زد پر

برہنہ نگاہوں کی دھاروں کی زد پر

شکستہ اشارے، بُریدہ کنائے

دوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

(۱۲)

محبت پر افشاں، جوانی خروشاں
تمنا، غزال آرزو، برق و باراں
جھندہ تقاضے، جنوں خیز اَرواں
نگاہیں اٹھانے کا رگ رگ میں طوفاں
مگر خوفِ دنیا سے آنکھیں جھکائے

ڈوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

(۱۳)

غَمِ مُتَّصِل، اِضطرابِ مُسَلسَل
تَخَیُّل میں دوزخ، تَصَوّر میں مَقتَل،
خود اپنا وُجُود اپنی آنکھوں سے اوجَھل
دَھڑکتے ہُوئے دِل سے جُنبِش میں ہَیکَل
لَرزتی سی چُٹکی میں پَلّو دَبائے،

ڈوپَٹّے کو مَسلے، بَدن کو چُرائے

(۱۴)

دلِ سرد میں پھوٹتے گرم چشمے
نظر میں خزاں کی گھٹاؤں کے لکّے

تصوّر میں ویران دھندلے جزیرے
جھپکتی نم آلودہ پلکوں کے نیچے،
جدائی کی آئندہ راتوں کے سائے

ڈوپٹے کو مسلے، بدن کو چرائے

پیغامِ بہار!

سنہ ۱۹۴۶ء

اُٹھ، کہ آئی ہے صبا دولتِ بیدار کے ساتھ
مژدۂ آمدِ جانانہ کی جھنکار کے ساتھ

اُٹھ، کہ آیا ہے درِ دل پہ سلامی دینے
لشکرِ بختِ نکو، وقت کی رفتار کے ساتھ

اُٹھ، کہ محبوس تقاضوں میں ہے اِک طُرفہ خروش
متزلزل درِ زنداں بھی ہے دیوار کے ساتھ

اُٹھ، کہ آیا چمنستاں میں وہ پیغامِ بہار
حکمِ آزادیٔ مرغانِ گرفتار کے ساتھ

اُٹھ، کہ جُنبش میں ہے سلمائے جوانی کا جلوس

صولتِ عربدہ و رایتِ انوار کے ساتھ

اُٹھ، کہ آمادۂ گُل گشت ہے لیلائے نشاط

زُلفِ عنبر شکن و طرۂ طرار کے ساتھ

خُدا نہ خواستہ

۱۹۴۸ء

کہتے ہو کوئی صدر کہیں بھی نہیں موجود

کیا اِس کے یہ معنی ہیں کوئی صدر کہیں ہے؟

یہ شدّتِ وابستگیٔ گیسوئے اِلحاد!

کیا رشتۂ ہستی گرہِ حبلِ متیں ہے؟

ہر وقت جو چرچا ہے یہ ویرانیٔ جاں کا!

کیا دِل میں کوئی نازشِ کونین مکیں ہے؟

کیا چرخ کے اِیقان کی شدّت پہ ہے مبنی؟

اِس اَمر کا اعلان کہ جو کچھ ہے زمیں ہے

ہر آن جو یہ جلوۂ باطن سے ہے عدوان،

سینے میں کوئی عشوہ گرِ زہرہ جبیں ہے؟

الہام کا ہر وقت یہ ابطالِ خروشاں،

لہ احقاقِ نواکاریِ جبریلِ امیں ہے؟

ہیجانِ طلب کی یہ خزف بازیِ پیہم

کیا خاتمِ ہستی کے لیے فکرِ نگیں ہے؟

یہ غلغلۂ دعوئ بے دینئ کامل!!

کیا نغمگیِ جزر و مدِ قلزمِ دیں ہے؟

کیا تیر کماں رشتہ ہی، صیّاد کمیں میں

یہ درس جو دیتے ہو کماں ہو نہ کمیں ہے

لہ justification

کیا رشتہ ہے کچھ برقِ سرِ طور سے اِس کا
اذکارِ سماوی پہ جو یہ چینِ جبیں ہے
کیا روح میں یہ ہمہمہ ہے عرشِ بریں کا؟
ہر آن جو یہ زمزمۂ فرشِ مبیں ہے
ہٹتی نہیں ذرات کے عشوؤں سے نگاہیں
کیا ذہن میں یہ جستجوئے دُرِّ ثمیں ہے؟
یہ دیر عقیدت سے جو دوری کا ہے اعلان
کوئی صنمِ شوخ رگِ جاں سے قریں ہے؟
کیا شدتِ انکار میں پوشیدہ ہے اقرار؟
کیا جذبۂ تشکیک کے پردے میں یقیں ہے؟

اَللہ سے کیا، تا نام خُدا، عشق نے اے جوش

ہر وَقت جو کہتے ہو کہ اَللہ نہیں ہے!

دھن راجہ کا جو پائے ہے لونڈا فقیر کا

۱۹۴۷ء

(۱)

لہ لکھا پڑھا تو، خیر سے، کچھ بھی نہیں، مگر
اُلجھا کے ڈال دیتا ہے اخبار اِدھر اُدھر
جاہِل ہے، اور علم کا رکھتا ہے کرّ و فر
رنگین موٹی موٹی کتابیں خرید کر
؎ "شوکیس" میں جمائے ہے لونڈا فقیر کا،

دھن راجہ کا جو پائے ہے لونڈا فقیر کا
کیا کیا ٹھسک دکھلائے ہے لونڈا فقیر کا!

لہ بہ طرزِ حضرۃ نظیر اکبرآبادی۔ ؎ Show Case دیدگاہ۔

(۲)

کُنبے کو کاٹ چھانٹ کے ، ناتوں کو توڑ کے

صِرف ایک زَر کی چاہ سے رِشتے کو جوڑ کے

لُطف و عَطا وُ جوُد کے باغوں کو چھوڑ کے

کُتّے کی طرح بھائی کو اپنے بھَنبوڑ کے ،

ماتا کی گَت بَنائے ہے لَونڈا فَقِیر کا

دَھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فَقِیر کا ،

کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لَونڈا فَقِیر کا

(۳)

مَن اُس سے یہ کہَے ہے کہ ایسا جَتَن کرو
لے لو جو ہات آئے، پَر اِک پائی بھی نہ دو
اِس کا ہی یہ اثر ہے کہ جب چاہے دیکھ لو
اِس کان سے سُنے ہے جو چَندے کی بات کو
اُس کان سے اُڑائے ہے لَونڈا فَقیر کا
دَھن راہبر کا جو پائے ہے لَونڈا فَقیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھلائے ہے لَونڈا فَقیر کا

(۴)

مَیدان میں وُہ ٹھہریں گے جو سُورِ بیر ہیں
وُہ کیا دَھنی بنیں گے جو دِل کے فَقیر ہیں
اِس جگ میں پوِترٌ دل کے جو بار وا اَمیر ہیں
گمبھیرتا لیئے ہُوئے جِن کے خَمیر ہیں
مُفت اُن کی دَھج اُڑائے ہے لَونڈا فَقیر کا
دھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فَقیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لَونڈا فَقیر کا

(۵)

باتوں میں ہے مٹھاس تو لہجے میں پیار ہے
گویا بڑا رفیق ، بڑا غم گسار ہے
جب تک کہ خیریت ہے بڑا یارِ غار ہے
پر جب یہ دیکھے ہے کہ مصیبت میں یار ہے
یاری سے ہات اٹھائے ہے لونڈا فقیر کا
دھن راجہ کا جو پائے ہے لونڈا فقیر کا
کیا کیا ٹھسک دکھائے ہے لونڈا فقیر کا

(۶)

ہر رات مَن چلوں کو گھر اَپنے بُلا بُلا،

ہَنس ہَنس کے بار بار اور اُن کو ہَنسا ہَنسا،

دَھن سَب کا اَینٹھ لینے کو دار و پلا پلا؛

ناشوں کو پھینٹ پھینٹ کے گردن گھُما گھُما

پھِر وں جُوا کھِلائے ہے لَونڈا فقیر کا!

دَھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فقیر کا

کیا کیا ٹھَسک دِکھائے ہے لَونڈا فقیر کا

(۷)

کوئی کوی[۱] ہو، یا کوئی لیکھک[۲] ہو پختہ کار

پنڈت ہو کوئی، یا کوئی نیتا[۳] ہو نام دار

وِدوان[۴] ہو کہ ہو کوئی دانائے روزگار

اِن سب کا نام سنتے ہی بھلگے ہیں نابکار

بھڑوؤں کے ناز اُٹھائے ہے لونڈا فقیر کا

دھن راجہ کا جو پائے ہے لونڈا فقیر کا

کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لونڈا فقیر کا

[۱] شاعر۔ [۲] اِنشاء پرداز۔ [۳] راہ نُما (لیڈر) [۴] عقل مند۔

(۸)

سِن ڈھل چُکا ہے اِس سے بَہُت اِختِلاج ہے
ہر پَل دَوائیں کُٹتی ہیں، ہر دَم عِلاج ہے
غم ہے جو زور کَل تھا، وہ مَفقُود آج ہے
بَس رات بھر مَساس تو دِن بھر مَساج ہے
کُشتوں پہ کُشتے کھائے ہے لَونڈا فَقیر کا
وَہ مَن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فَقیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لَونڈا فَقیر کا

(۹)

بوتل کی آگ بَرف سی چھاتی میں ڈال کر
ٹھنڈی ہوئی ترنگ کا انڈا اُبال کر،
کنتر سے عِطر، جیب سے گولی نِکال کر
رَنڈی کو لِلّی گھوڑی کے سانچے میں ڈھال کر
بے حرفہ ہِن ہِنائے ہے لونڈا فقیر کا
دَھن راجہ کا جو پائے ہے لونڈا فقیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لونڈا فقیر کا

(۱۰)

لوگوں پہ مُفت رُعب جمانے کے واسطے
پُشتوں کے گھٹیا پن کو چھپانے کے واسطے
یاروں کو ٹھاٹ باٹ دِکھانے کے واسطے
زَر کا دِلوں پہ سِکّہ بِٹھانے کے واسطے
نوٹوں کو کھڑکھڑائے ہے لَونڈا فقیر کا
دَھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فقِیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لَونڈا فقِیر کا

(۱۱)

بَخشے جو پان، سمجھے بہا خوٗن بن کے وَھن
سِگریٹ جو دے کِسی کو تو جَل جائے تَن بَدن
اِک بوٗند مَے پِلائے تو پچھتائے ایک مَن
پڑ جائے میز پوش پہ ہلکی سی گر شِکَن
تو پہروں تِل مِلائے ہے لَونڈا فِقیر کا
تَو ھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فِقیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لَونڈا فِقیر کا

(۱۲)

اَصلی اَمیر ہُوں یہ دِکھانے کے واسطے
پُرکھوں کی گندگی کو چھپانے کے واسطے
جو بُو بسی ہے اُس کو دَبانے کے واسطے
ماتا پِتا کا مَیل چھُڑانے کے واسطے
دو دو پہر نَہائے ہے لَونڈا فَقیر کا
دَھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فَقیر کا
کیا کیا ٹَھسَک دکھائے ہے لَونڈا فَقیر کا

(۱۳)

بھرؤ پپیا انوکھا ، مداری ہے بے بدل
ہر چند ناتواں ہے، دِکھاتا ہے خود کوبَل
پر ڈانٹ دو جو کس کے تو گر جائے منہ کی بھل
اِس پر بھی دونوں موچھوں کی چونچوں کو دی کی بل
منھ پر دُمیں اُٹھائے ہے لونڈا فقیر کا
دھن راجہ جو پائے ہے لونڈا فقیر کا
کیا کیا ٹھسک دِکھائے ہے لونڈا فقیر کا

(۱۴)

جب راگنی سُنے ہے تو خِفّت مِٹانے کو
سر بار بار موڑے ہے سِگرَٹ جَلانے کو
گرَدَن کو بھی ہِلائے ہے اُلّو بَنانے کو
میں راگ جانتا ہوں فقَط یہ جَتانے کو
رَہ رَہ کے مُسکرائے ہے لَونڈا فقِیر کا
دَھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فقِیر کا
کیا کیا ٹھسک دکھائے ہے لَونڈا فقِیر کا

(۱۵)

گر ہم کہیں کہ آج تو راجہ ہو جم گھٹا،
ہو ناچ رنگ، دُھوم دھڑکّا، اَہا اَہا
تو ایک ہیجڑا بھی نہ بُلوائے بے حیا
پر اِک اِشارہ پاتے ہی بس کوتوال کا
سَو رنڈیاں نَچائے ہے لَونڈا فَقِیر کا
دَھن راجہ کا جو پائے ہے لَونڈا فَقِیر کا
کیا کیا ٹَھسَک دِکھائے ہے لَونڈا فَقِیر کا

خَبَردار!

سنہ ۱۹۴۸ء

بِللّٰہ یوں نہ جَست کر اے شوقِ جَلد باز
دِیوانہ وار کام نہ لے اِختلاط سے

تلوار سے بھی تیز ہے یہ راہِ پُرخطَر
یوں دوڑتا ہوا نہ گزر پُل صراط سے [1]

لَذّت کی دَھار کَرب سے ہوتی ہے تیز تَر
ناداں، لَہو ٹپک نہ پڑے اِنبساط سے

اُن اَنکھڑیوں میں دیکھ کے رَنگِ سِپُردگی
یوں بَدحَواس ہو نہ وُفورِ نَشاط سے

[1] میرے نزدیک فکِّ اِضافت کے ساتھ بھی صحیح ہے، جیسے "صاحِب دل" وغیرہ

شاخِ بلور و پیکرِ شبنم ہے وہ نگار،
اے دستِ اشتیاق — ذرا احتیاط سے!

دُھوپ چھاؤں

سنہ ۱۹۴۸ء

سِن، نیم سفید، نیم دھانی
آئینۂ طِفلی و جوانی!
چڑھتا ہُوا دِل بری کا پارا
مُڑتا ہُوا کم سِنی کا دھارا
رنگینیٔ جِسم سے، بھبوکا
باریک چُھپا ہُوا شلوکا
شوخی میں حیا کی کسمساہٹ
بھیگے ہوئے تن میں گُنگُناہٹ

جس سے رس ہو رہا ہے پنڈا
وہ رخ ہیکل کا گنگنا سا
شبنم بدن و بلور پیکر
شبنم میں شفق ستگِ مرمر
مکھڑے کی رواں دواں دمک میں
تلوار کے جوہروں کی لہریں
انگڑائی کے لوچ میں جماہی
اربابِ نگاہ کی تباہی
تن، نیم رسیدگی کے رس میں
رفتار نہیں خود اپنے بس میں

آنکھوں کی تہوں میں دُھندلے دُھندلے
نادیدہ و پُرفسوں جزیرے
لہجے میں سرود کی چُبھن سی،
آواز میں پھوٹتی کِرن سی!
روئے ناشُستہ کا دُھندلکا
اِک خیمۂ دودِ عود گویا
آنکھوں میں چڑھی ہوئی براتیں
بھیگی ہوئی مالوے کی راتیں
قدِّ آدم اک آبگینہ
وہ چال کہ موڑ پر سفینہ

پیچیدہ صبا، کلی کے تن میں
پوسی پھٹتی ہوئی بدن میں
غمّازیِ و ذوقِ رازداری
ساری یہ کبھی، کبھی وہ طاری
مابینِ سکوت و ذوقِ گفتار
یاریِ و مصالحت کے آثار
گونگے جذبات تشنہ ساز
سرگوشیِ خامشیِ و آواز
سینے میں دھواں، نظر میں بادل،
معنیٰ درجیب حرفِ مہمل

پَنچَم کی طَرَف ، رو انہ مَدَّھم
کِرنوں کی عَماریوں میں شَبنَم
تَفصِیل کے راستے پہ اِجمال
اِحساس کی آنچ پہ خَد و خال
اَنداز یَقین کا گُماں میں
نَظریں ڈَھلتی ہُوئی زباں میں
ہر نقشِ قدم میں سِحرِ بَنگال،
پُل پر چڑھتے ہُوئے مَہ و سال
مَستی لَرزِندَہ موجِ ٹَل میں
بو، کی حَرَکَت قَبائے گُل میں

غلطاں دلِ نثر میں تغزّل
غنچے کی روانگی سوئے گل!
طفلی سے شباب کا تفنّن،
عقدے کے افق پہ صبحِ ناخن
خوابیدہ شعور، ذوق بیدار،
انگڑائی میں اک خموش جھنکار
تن میں طوفان ہو رہا ہے
یہ کون جوان ہو رہا ہے

ساقی وُہ کھِلے پھُول

۱۹۴۹ء

ساقی، وُہ کھِلے پھُول، اُڑا کاگ، اُٹھا جام
چٹکا ہے بفرمانِ طَرَب غُنچۂ ایّام!
صد شُکر کہ پھِر آج ہے گُل دستۂ آغوش
محبوبۂ مہ چہرہ و معشوقۂ گُل فام!
یک جا ہیں پھِر اِک بار مشیّت کے علی الرغم
یارانِ رَواں بخش و نگارانِ دِل آرام
پھِر مسندِ زرّیں پہ ہیں رقصان و غزل خواں
ترکانِ سمن چہرہ و خوبانِ گُل اندام!

مَدہوش کُھجُوروں سے اُبھرتا ہُوا مہتاب
مہتاب میں رَخشندگیٔ وَجہِ ذُوالاِکرام
اِس فرش کی محراب میں یہ عَرش کی قندیل
اِس صُبحِ بَدآغاز کی یہ شامِ خوش اَنجام
پھر گُنبدِ اَجسام میں ہے نَغمۂ اَرواح
پھر عالَمِ اَرواح میں ہے خَندۂ اَجسام!
گھنگھور گھٹاؤں سے بَرَستی ہے زَمیں پر
مَے پروَریٔ حافِظ و سَرشاریٔ خیّام!
پھر باغ نے کھولا ہے دَرِ حَرف و حِکایَت
ہر بَرگ میں اِک لفظ ہے، ہر پھول میں پیغام!

اُس بَزم کے ناظِم ہیں گدایانِ خَرابات،
جِس بَزم میں جبریل ہے مِنجُملۂ خُدّام!
تُم کون ہو، جو پاؤں مرے چُوم رہی ہو،
باندی کو "قضا" کہتے ہیں، بندی کا "قَدَر" نام
اے جوشؔ مرے کُفر کا وُہ قصر ہے عالی،
جِس قصرِ فلک بوس کا اِک غُرفہ ہے اِسلام

دَر آ مرے گھر میں بھی

۱۹۴۵ء

دَر آ مرے گھر میں بھی کِسی دِن شَرر افشاں
گُل بیز و چمن ریز و سَمَن بار و زر افشاں!
بے کفش و کُلہ کب سے ترے دَر کا گدا ہے
اے زُہرہ وَشِ تاج چکان و کمر افشاں!
چھٹکائے ہوئے زُلف برافگندہ نقاب آ،
با دیدۂ مے ریز و بلعلِ شکر افشاں
اک عُمر سے تاریک ہے محرابِ تمنّا،
اے ساحرۂ شمس چکان و قمر افشاں

شبنمستا میں بھی مِری زِشت ہیں، صُبحیں بھی مِری زَرد
اے زُلفِ شَب آفروز و جَبینِ سَحَر افشاں
میں اور خَزَف چینی و ذَرّات شُماری
فَریاد ہے اے لَعل فَروش و گُہَر افشاں!

وطن کی درخواست

۱۹۴۶ء

آج کہنے کے لئے آیا ہوں تجھ سے ایک بات
جوشؔ اے میری زمیں کے آسمانِ ذی حیات

بے حسی کی نیند سے تو نے جگایا ہے مجھے،
راستہ طوفان و جنبش کا دِکھایا ہے مجھے!

رُوح کو میری چھوا ہے تیرے دِل کی پھانس نے
غنچۂ ہِمّت کو چٹکایا ہے تیری سانس نے

زِندگی مجھ کو عطا کی ہے ترے اعجاز نے
قبر سے مجھ کو نِکالا ہے تری آواز نے

تیری مدحت کے لیے اے شاعرِ شیریں نوا

گُندھ چکا ہے ہار سب سے بہترین الفاظ کا

رُوح میں نغمے تپاں ہیں لب تک آنے کے لیے

مُضطرب ہوں تجھ پہ لعل و زر لُٹانے کے لیے

دِل بہت بے چین ہے بذل و سخا کے واسطے

جلد اے مردِ خدا مر جا خُدا کے واسطے

نگارانِ مغرب سے خطاب!

۱۹۴۶ء

تا چند رہے گی زُلف برہم
اے فتنۂ امن خواہِ عالم
اِس دَمدَمہ و غا میں ظالم
ہر زمزمۂ دغا ہے مدغم!
اِس طبلِ تعب کے غُلغلے میں
ہر درسِ طرب ہے صوتِ مُبہم
اے صرصرِ تند، گُل نہ ہو جائے
تابندہ چراغِ طاقِ عالم!

دَمکے گی نہ صُبحِ عِید کب تک
اے شامِ فسُردہ محُرَّم
تاچند نہ اے سَمُوم، ہو گا
گلشن میں صَبا کا خیر مَقدَم!
اِنسان کی تا کجُا یہ توہین
اے نوعِ بَشَر کی روحِ اعظم
تاچند یَقِیں بنا رہے گا
اے وَسوَسۂ ہبُوطِ آدم
اے طُرفۂ غمزۂ اِرَم زاد
سَرو و سَمَن و صَبا سے یہ رَم!

اے مدحِ فروشِ صُلح، یہ جنگ!
اے جادۂ مُستقیم، یہ خم!
بِالفِعل اسیرِ سنگ و سنداں
بِالقُوّۃ امیرِ ساغرِ جم
اے لیلیٔ محملِ دو رنگی
خنجر بہ عمل، بہ حرف مرہم
اے شمعِ مبینِ ظُلمت افروز
اے حبلِ متینِ غیرِ محکم!
تا چند یہ اِتّباعِ شاہیں
اے بُلبُلِ باغِ اِبنِ مریم

اُف پرتوِ مہرِ لااُبالی
نازک ہے بہت مزاجِ شبنم
مقتل سے رواں ہوئی سوئے مسند
اے ملکۂ مقبلانِ عالم!

تمنّائے یار باقی ہے!

۱۹۴۷ء

ہنوز دِل میں تمنّائے یار باقی ہے
خزاں کا دور ہے، پھر بھی بہار باقی ہے

اُڑا رہی ہے خرد، گو دیارِ عمر میں خاک
مگر جنوں کا وہی آبشار باقی ہے

مقامِ یاس میں بھی ہے اُمیدِ رنگ افشاں
محلّ جبر میں بھی اختیار باقی ہے،

نہ صبحِ وعدۂ دیدار ہے نہ شامِ وصال
مگر وہی خلشِ انتظار باقی ہے

دَبیز دُگُند نَفَس میں، مجھی نگاہوں میں
ہَنوز تیغِ جوانی کی دھار باقی ہے
وُہ رسمِ دار و دارا کی راتیں کہاں، مگر دِل میں
خَروشِ مَقدمِ شَب ہائے تار باقی ہے
بہ ایں تسلسلِ بارانِ ابرِ وقتِ رواں
ہنوز دَولتِ نَقش و نِگار باقی ہے
زَوال میں بھی خَروشندہ ہے بلا کا عُروج
اُتار میں بھی غَضَب کا اُبھار باقی ہے
جمی ہوئی ہے مہ و سال کی حیات پہ برف
نفس میں آتش و دُود و شرار باقی ہے

سحابِ نشّۂ دوشینہ، ای معاذاللہ
ابھی تک ایک سنہرا غبار باقی ہے
سرِ حیات نگوں ہے، مگر اُمنگوں کا،
وُہی خمار اِمِ سحر کو ہسار باقی ہے
برس کی چھٹ بھی گئیں بدلیاں جوانی کی
ہوا میں نشّہ، فضا میں نکھار باقی ہے
نُزولِ قہر کی پیہم عُقوبتوں میں بھی جوش
اُمیدِ رحمتِ پروردگار باقی ہے